# معارف

مئی ۲۰۱۸ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

# سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰؍روپئے۔ فی شمارہ ۲۵؍روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴؍روپئے
دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰؍روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰؍روپئے
ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

**HAFIZ SAJJAD ELAHI**

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN
LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN
Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916
Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH**

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

**Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org**

**Website: www.shibliacademy.org**

**Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh**

**Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100**

**✆ (Office Mobile) 09170060782**

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری رمنیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

# معارف

| جلد نمبر ۲۰۱ | ماہ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۱۸ء | عدد ۵ |
|---|---|---|

## فہرست مضامین





دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

# شذرات

وہ آٹھ سال کی ایک معصوم ننھی سی بچی تھی جس کے دودھ کے دانت بھی ابھی نہیں ٹوٹے تھے۔ اس کا نام آصفہ بانو تھا۔ وہ ایک نہایت غریب خانہ بدوش قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی جس کو بکروال کہتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں پالنا ان کا ذریعۂ معاش ہے۔ یہ لوگ اپنے ریوڑوں کے ساتھ گرمیاں پہاڑوں پر گذارتے ہیں اور سردیاں گذارنے کے لیے میدانی علاقہ میں اپنی بستیوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اسی غربت اور افلاس کے مارے ہوئے ماحول میں آصفہ پیدا ہوئی اور پلی بڑھی۔ اس کا بچپن ان آسائشوں سے واقف نہیں تھا جو کھاتے پیتے گھروں کے بچوں کو عام طور پر نصیب ہوتی ہیں اور نہ ہی اسے تعلیم کی نعمت میسر تھی۔ وہ فطرت کی آغوش میں پلی تھی اور آس پاس کی وادیوں اور مرغزاروں، اپنے گھوڑوں کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی۔ اس معصوم ننھی سی جان کو پتہ نہیں تھا کہ انسان جنگلی درندوں سے زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے۔ جنگلی درندے بھی ان نوامیسِ فطرت کے پابند ہیں جن کو خالقِ کائنات نے ان کے لیے مقرر کردیا ہے لیکن انسان کی بہمیت اور پستی کی کوئی انتہا نہیں۔

---

آصفہ کا خاندان جموں میں کٹھوعہ کے رسنا علاقہ میں رہتا تھا۔ اس خطہ میں غیر مسلموں کی اکثریت کے باوجود یہ لوگ یہاں رہتے آئے تھے لیکن ملک میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا اثر اس خطہ پر بھی پڑا۔ ملک میں روز افزوں لاقانونیت اور مسلم مخالف ماحول سے یہ علاقہ بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ آر، ایس، ایس اور بی جے پی کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے یہاں آباد بکروال مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اکثریتی فرقہ وہاں سے مسلمانوں کو بے دخل کرکے ان کی زمینوں اور وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک منصوبہ بنایا گیا۔ کوشش یہ تھی کہ ان لوگوں کو اتنا خوف زدہ کردیا جائے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کریں۔ منصوبہ بندی کا کام ایک ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر سنجی رام نے انجام دیا۔ یہ ایک نہایت گھناؤنی اور قابل نفرت سازش تھی جو ایک ننھی سی بچی پر مرکوز تھی۔ انسان کن پستیوں تک گرسکتا ہے یہ اس کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ نفرت، عداوت، مذہبی انتہا پسندی اور ہوس رانی کے آمیزے سے تیار کی گئی اس سازش کا نشانہ ننھی آصفہ بنی۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ

مسلمان تھی حالانکہ وہ ابھی عمر کی اس منزل میں تھی جہاں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہندو اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ بچی اپنے گھوڑوں کو چرانے کے لیے تنہا وادی میں چلی جاتی تھی۔ ان انسان نما درندوں نے اس کی نقل وحرکت پر نظر رکھی اور ایک دن اسے اغوا کرلیا۔ یہ جنوری کی دس تاریخ تھی۔ ۱۷ جنوری کو اس کی لاش جنگل میں ملی۔

---

اس دوران اس ننھی سی جان پر جو قیامت گذر گئی اس کا اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں۔ اس کی مظلومیت، جنسی تشدد، ایذا رسانی اور خون ناحق کی داستان آپ نے ضرور پڑھی ہوگی۔ آنسوؤں نے اگر آپ کے دامن کو نہیں تر کیا ہوگا تو آنکھیں ضرور بھر آئی ہوں گی۔ ایسا سنگ دل کون انسان ہوسکتا ہے جو یہ داستان پڑھے اور فرط غم سے اس کی آنکھیں نہ چھلک پڑیں اور گہرے دکھ کی ایک لہر اس کے وجود سے نہ گذر جائے۔ اس ننھی سی جان پر جو کچھ گذری اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اذیت، کرب، دکھ اور بے بسی کی جس کیفیت سے وہ دوچار ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جس طرح اس کو بھوکا پیاسا دواؤں کے زیر اثر رکھا گیا اور جس طرح درندوں کی یہ ٹولی اس کو نوچتی اور بھبھوڑتی رہی اس کے تصور سے کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ اور یہ سب اس کے ساتھ اس لیے کیا گیا کہ وہ مسلمان تھی اور مقصد یہ تھا کہ اسے مسلمانوں کے لیے نمونہ عبرت بنا دیا جائے۔ مسلمانوں کے خلاف منظم طور پر جس نفرت اور عداوت کی کاشت گذشتہ چند برسوں سے خاص طور سے کی جاتی رہی ہے اس کی فصل اس معصوم کے جسم وجان پر کاٹی گئی۔ ایک معصوم بچی کے ننھے سے جسم کو جس طرح سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اس کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ ژرف نگاہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ستم یہ ہے کہ اسے آبائی قبرستان میں دفن بھی نہیں کرنے دیا گیا اور بالآخر کسی اور جگہ مٹی کی امانت مٹی کے سپرد کردی گئی۔ یہ چند بالشت کی چھوٹی سی قبر جب تک رہے گی انسانیت کو شرمسار کرتی رہے گی اور انسان کی پستی کی آخری حدوں کی ایک علامت کے طور پر باقی رہے گی۔

---

آصفہ تو ظلم اور نفرت سے بھری ہوئی اس دنیا سے دور چلی گئی اور اسے اپنے رب کریم کے دامن رحمت میں ابدی سکون نصیب ہوچکا۔ لیکن ہمارے لیے بہت سے سوالیہ نشان چھوڑ گئی۔ یہ صحیح ہے کہ یہ وحشت، بربریت اور درندگی اس ملک کے لیے کوئی نئی چیز نہیں۔ آصفہ کی اس درد بھری داستان کے ساتھ

اناؤ کی اس مظلوم بچی کی المناک داستان بھی سامنے آئی جو ایک سال سے انصاف کے لیے دردر بھٹک رہی تھی اور یوپی حکومت ملزم کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کررہی تھی۔ جب اس نے وزیراعلیٰ کی رہائش گاہ کے سامنے خودسوزی کی کوشش کی تب یہ بات دنیا کے سامنے آئی۔ لیکن ملزم کے بجائے اس کے باپ کو گرفتار کرلیا گیا اور ملزموں کے شہ زوروں نے جیل کے اندر اسے مار مار کے ختم کردیا۔ اگر الٰہ آباد ہائی کورٹ اس معاملہ میں ازخود نوٹس نہ لیتا تو بات وہیں ختم ہوگئی ہوتی۔ اس کے باوجود ملزم کو بچانے کی مسلسل کوشش ہورہی ہے۔ اسی دوران سورت، جھارکھنڈ، ایٹہ، سہسرام اور ملک کے دوسرے حصوں سے چھوٹی بچیوں کے ساتھ جنسی تشدد کی مسلسل خبریں آرہی ہیں۔ اب تو حیوانیت اس منزل کو پہنچ گئی ہے جہاں آٹھ مہینے اور پانچ مہینے کی بچیاں ان مظالم کی شکار ہورہی ہیں۔

---

ان مظالم کی شناعت اور ان میں ظاہری یکسانیت کے باوجود آصفہ کا معاملہ کئی پہلوؤں سے ان سب سے الگ ہے اور ملک کی سالمیت کے ایک بڑے خطرے کی علامت ہے۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ یہ پوری طرح ایک منصوبہ بند جرم تھا اور اسے منصوبہ بند انداز میں انجام دیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ اہم اور خطرناک بات یہ ہے کہ اس بدترین درندگی اور گھناؤنے جرم کو قوم پرستی کا لبادہ پہنا دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس شرمناک واقعہ کو ہندو مسلم منافرت کی ایک ملک گیر علامت بنادیا جائے۔ مقامی طور پر بکروال قبائل کو اس علاقہ سے بےدخل کرنے کے لیے اسے استعمال کیا جائے اور ملک گیر پیمانے پر ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف متحد کرنے اور ان کے اندر مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات کو ابھارنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ دراصل اس طویل المیعاد اسٹریٹجی کا حصہ ہے جس پر فرقہ پرست قوتیں ایک مدت سے کام کررہی ہیں۔ اس دردناک واقعہ کی تفصیلات حادثہ کے کئی مہینہ بعد اس وقت سامنے آئیں جب جموں اور کشمیر پولس کی کرائم برانچ نے ملزمین کے خلاف عدالت میں چارج شیٹ داخل کی۔ یہ چارج شیٹ بہت محنت اور ایمانداری سے تیار کی گئی تھی۔ فرقہ پرور طاقتیں بہرصورت ملزمین کو بچانا چاہتی تھیں، اس لیے انھوں نے اس واقعہ کی سی۔ بی۔ آئی کے ذریعہ انکوائری کا مطالبہ کیا۔ اس سے وہ جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اتنے واضح ہیں کہ ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ انصاف کا راستہ روکنے کے لیے ہندو ایکتا منچ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ ملزمین کے دفاع میں مظاہرے کیے گئے

جن میں مردوں کے علاوہ بڑی تعداد میں عورتوں نے بھی حصہ لیا۔ایک معصوم بچی کے خلاف جنسی تشدد اور اس کا سفاکانہ قتل ان خواتین کے نزدیک بھی کوئی جرم نہیں تھا، اس لیے کہ بچی مسلمان تھی۔ وکلاء جن کا فرض منصبی انصاف کے حصول کو یقینی بنانا ہے وہ ملزمین کے دفاع میں اور انصاف کا راستہ روکنے کے لیے کھل کے میدان میں آئے۔صرف کٹھوعہ کے وکیلوں نے ہی نہیں بلکہ جموں ہائی کورٹ کے بار ایسوسی ایشن نے ہڑتال پر جانے کا فیصلہ کیا اور چارج شیٹ کو داخل کرنے میں مزاحمت کی۔ بچی کے لیے انصاف کی لڑائی لڑنے والی بہادر اور فرض شناس خاتون وکیل دیپکا راجاوت سنگھ کو دھمکیاں دی گئیں۔ان مظاہروں میں حکومت جموں وکشمیر کے دو کابینی وزراء دلال سنگھ اور چندر پرکاش شامل تھے اور انہوں نے ملزمین کے دفاع میں مجمع کو خطاب کیا۔اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کا رویہ بھی نہایت درجہ افسوسناک رہا۔مرکزی وزراء اور پارٹی کے ترجمان اس واقعہ کی طرح طرح سے توجیہیں کرتے رہے۔زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کام خواتین وزراء اور ایک خاتون ترجمان سے کرایا گیا۔وزیر خارجہ محترمہ ششما سوراج جنہوں نے ایک انسانیت دوست کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنے کی خاصی کامیاب کوشش کی ہے، اس پورے قضیہ میں بالکل خاموش رہیں۔اپنی تمام ترطلاقتِ لسانی کے باوجود کئی دن تک وزیر اعظم نے اپنی خاموشی نہیں توڑی۔ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ فرقہ پرست طاقتیں اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوجائیں گی۔لیکن جب چارج شیٹ عدالت میں داخل ہونے کے بعد اس دردناک واقعہ کی تفصیلات سامنے آئیں تو پورے ملک میں شدید غم وغصہ کا ایک لاوا سا پھوٹ پڑا۔پورا ملک سراپا احتجاج تھا۔ننھی آصفہ اور اناو کی بچی کو انصاف دلانے کے لیے ملک کے طول وعرض میں بے شمار ریلیاں اور کینڈل مارچ نکالے گئے۔اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا نے بھی مثبت اور موثر کردار ادا کیا۔ملک کے باہر بھی بڑے پیمانے پر اس کا نوٹس لیا گیا۔اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے اس سلسلہ میں ایک سخت بیان جاری کیا۔آئی۔ ایم۔ایف کی خاتون سربراہ نے خود وزیراعظم کو اس سلسلہ میں اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔

---

کئی دن کی خاموشی کے بعد حالات کے دباؤ میں وزیراعظم نے اس موضوع پر ایک مبہم اور غیر واضح بیان جاری کیا۔اس میں نہ تو کٹھوعہ کا براہ راست ذکر تھا اور نہ اناؤ کا۔اس کے لب ولہجہ سے واضح ہے کہ یہ بیان حالات کے دباؤ میں دیا گیا۔ان دونوں وزیروں نے استعفاد ے دیا جنھوں نے ملزمین کی حمایت میں نکلنے والی ریلی میں حصہ لیا تھا اور وہاں تقریر کی تھی۔جموں بار ایسوسی ایشن نے اپنی ہڑتال

واپس لی۔ایک طرف الہ آباد ہائی کورٹ نے ازخود اناؤ کے واقعہ کا نوٹس لیا تو دوسری طرف سپریم کورٹ نے آصفہ کے اہل خانہ اور وکیل دیپکا راجاوت سنگھ کو مکمل حفاظت فراہم کرنے کی ہدایت دی۔جموں سے باہر مقدمہ کی سماعت کا معاملہ عدالت کے زیر غور ہے۔حکومت ہند نے کمسن بچیوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے والوں کے لیے موت کی سزا کا قانون منظور کیا۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صورت حال بڑی حد تک اب قابو میں ہے لیکن درحقیقت ایسا ہے نہیں۔ یہ محض فریبِ نظر ہے۔سمندر کی پرسکون نظر آنے والی سطح کے نیچے جو طوفان کروٹ لے رہا ہے اس کا اگر بروقت اور صحیح ادراک نہیں کیا گیا تو اس کے نتائج بہت تلخ اور خطرناک ہوں گے۔

---

ملکوں کی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا لمحہ آتا ہے جو اسے کسی ایسے رخ پر ڈال دیتا ہے جس کا اس وقت کے مخصوص حالات میں بظاہر کوئی امکان نہیں ہوتا۔ابھی کسی درجہ میں بھی وثوق کے ساتھ کچھ کہنا تو ممکن نہیں ہے لیکن یہ بات بعید از امکان نہیں ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے ایک معصوم ننھی سی بچی پر توڑا جانے والا یہ ظلم ملک میں ایک نئے سلسلہ واقعات کا آغاز ثابت ہو۔ملک کے طول وعرض اور گوشے گوشے میں مذہب وملت کی تفریق کے بغیر جس طرح مرد،عورتیں اور خاص طور سے بچے اور بچیاں اس ظلم کے خلاف احتجاج کے لیے باہر نکل آئے اور اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا اس کی توقع موجودہ ماحول میں شاید ہی کسی کو رہی ہو۔جس طرح مسلسل یہ مسئلہ سوشل میڈیا پر چھایا رہا اسے دیکھ کر یہ یقین ہو گیا کہ ہندوستانی معاشرہ کا اجتماعی ضمیر ابھی زندہ ہے،ابھی انسانیت مری نہیں ہے اور ابھی سب کچھ ہاتھ سے نکل نہیں گیا ہے۔جب تک دوسروں کا درد محسوس کرنے والے لوگ باقی ہیں،اس وقت تک امید باقی ہے۔ لیکن اس امر میں بھی شبہہ کی گنجائش کم ہے کہ وقت بہت تیزی سے گذر رہا ہے۔جو لوگ نفرت کی اس سیاست سے اتفاق نہیں کرتے ان کے پاس اس سیلاب کو روکنے کے لیے بہت زیادہ وقت نہیں رہ گیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اس امید کو باقی رکھنے کے لیے سب سے بڑی ذمہ داری خود مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ان کو وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس کے تقاضوں کے مطابق اپنا لائحہ عمل طے کرنا ہوگا۔

---

لیکن یہ کام آسان نہیں ہے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو کچھ

ہوا وہ جذبات میں کسی وقتی اُبال کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک سوچے سمجھے طویل المیعاد منصوبہ کا حصہ ہے اور اس منصوبہ پر قریب ایک صدی سے بھرپور انداز میں کام ہو رہا ہے۔ اس کی جڑیں وی۔ ڈی ساورکر اور ایم۔ ایس گول والکر کے نظریات میں پیوست ہیں۔ ہندو مہا سبھا کا قیام ۱۹۱۵ میں ہوا تھا جبکہ آر ایس ایس کی تاسیس ۱۹۲۵ میں ہوئی۔ ہندو معاشرہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کا زہر پھیلانے کا کام پوری منصوبہ بندی اور مستعدی سے گذشتہ سو سال سے انجام پا رہا ہے۔ تقسیمِ وطن کے بعد فطری طور پر اس میں بہت تیزی آ گئی۔ گذشتہ چند برسوں میں جب سے ان نظریات کو ماننے والے اقتدار میں آئے ہیں اس میں غیر معمولی حد تک اضافہ ہو گیا ہے۔ حالات میں تبدیلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب ساورکر کی تصویر پارلیمنٹ میں آویزاں ہے۔ اس منصوبہ کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں سے ماضی کی مفروضہ زیادتیوں کا انتقام لینا ہے۔ اس منصوبہ میں مسلم خواتین پر جنسی تشدد کو اس انتقامی کارروائی کے ایک حصہ اور ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر اس کا جواز فراہم کیا جاتا ہے۔ ان خیالات پر یقین رکھنے والوں کی نظر میں جن لوگوں نے یہ شرمناک کام انجام دیا انھوں نے ایک بڑی قومی خدمت انجام دی۔ اسی وجہ سے ہندوا یکتا منچ سے لے کر بار ایسوسی ایشن تک ملزمین کو بچانے کے لیے اتنی سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا۔ ملزمین کے دفاع میں جو مظاہرے کیے گئے ان میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک ہوئیں اس لیے کہ اس قومی خدمت میں کوئی پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ان میں جے شری رام کے نعرے لگائے گئے اور قومی جھنڈا لہرایا گیا۔ اس درندگی کو انجام دینے کے لیے "مندر" کا انتخاب کیا گیا۔ بچی کو قتل کرنے سے پہلے پوجا پاٹ کی گئی۔ یہ سب باتیں واضح طور پر اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

---

ان مظاہروں میں حصہ لینے والے بی جے پی کے دو وزراء نے جب اپنے عہدوں سے استعفا دیا تو اسے وزیر اعلیٰ کی کامیابی سمجھا گیا۔ عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ ملک میں وسیع پیمانے پر ظاہر ہونے والے غم و غصہ کے دباؤ میں ایسا کیا گیا، لیکن چند دنوں بعد ہی یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ بی جے پی کی اسٹریٹجی کا ایک حصہ تھا۔ ان وزراء نے مستعفی ہونے کے بعد جو بیانات دیے ان سے ظاہر تھا کہ انھوں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ پارٹی کی ہدایت پر کیا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ مستعفی ہونے والے یہ وزراء اب پوری آزادی اور یکسوئی سے علاقہ کے ایک ایک گاؤں میں وہی کام انجام دے رہے ہیں بظاہر جس کی وجہ سے ان کو استعفا

دینا پڑا تھا۔ مزید براں وزارت کی تشکیلِ نو میں کھٹوعہ کے ایم۔ ایل۔ اے راجو جسر ویٹا کو وزارت دی گئی جو خود بھی ان مظاہروں میں شریک رہا تھا۔ سابق نائب وزیر اعلیٰ کو جنھوں نے اس معاملہ میں وزیر اعلیٰ کا ساتھ دیا تھا، اس منصب سے ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہ پر اسپیکر کو بندر سنگھ کو نائب وزیر اعلیٰ کے منصب پر مقرر کیا گیا۔ نئے نائب وزیر اعلیٰ نے حلف برداری کے فوراً بعد یہ بیان دیا کہ کھٹوعہ کا معاملہ ایک معمولی واقعہ تھا جس کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ جموں اور کشمیر کے لیے پارٹی انچارج رام مادھو نے اپنے بیان میں رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور اس سلسلہ میں کسی حسن ظن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ حلف برداری کے بعد میڈیا کی طرف سے کیے جانے والے سوالات کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وزارت میں تبدیلی کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا فیصلہ تو ابتدا ہی میں کیا جا چکا تھا۔ حکومت تین سال پورے کر چکی تھی اس لیے نئے لوگوں کو موقع دینے کے مقصد سے ایسا کیا گیا۔ چنانچہ جہاں تک اس دردناک واقعہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں بی جے پی کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ باقی جہاں تک اس کی مذمت میں دیے جانے والے بیانات اور بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کرنے والوں کے لیے سزائے موت کے قانون کا معاملہ ہے تو یہ سب محض دباؤ میں لیے گئے فیصلے ہیں۔ ان سے کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہی صورت بار کونسل آف انڈیا کی مقرر کردہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کی ہے۔ اخبارات ان خبروں سے بھرے رہے کہ وکلاء نے چارج شیٹ عدالت میں داخل نہیں ہونے دی۔ جموں ہائی کورٹ نے اس سلسلہ میں جو رپورٹ سپریم کورٹ کو بھیجی ہے اس میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ لیکن بار کونسل آف انڈیا کی مقررہ کردہ کمیٹی کو نہ تو اس کا ثبوت مل سکا کہ وکلاء کی مزاحمت کی وجہ سے چارج شیٹ عدالت میں داخل نہیں کی جا سکی اور نہ ہی اس بات کی تصدیق ہو سکی کہ دیپکا راجاوت کو دھمکی دی گئی۔ ملزمین کے حق میں مظاہرے اب بھی جاری ہیں۔ مظلومین کو ہر طرح ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے اور اب تو اس واقعہ کا سرے سے ہی انکار کیا جا رہا ہے۔ ملک میں صحیح سوچ رکھنے والے ہر فرد کے لیے خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اگر اس کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا گیا تو اس میں صرف اضافہ ہی نہیں ہوگا بلکہ یہ روز کا معمول بن جائے گا۔

# مقالات

# انساب الاشراف میں مدنی روایات سیرت کا جائزہ

کلیم صفات اصلاحی

(۳)

شہدائے بدر: بلاذری نے درج ذیل شہدا کے نام تحریر کیے ہیں:

عبیدہ بن الحارث (۱) (جن کو شیبہ بن ربیعہ نے قتل کیا تھا اور جن کی تدفین آپؐ نے صفرا میں کی)، یہ بنی عبدالمطلب کے خانوادے سے تھے (۲)۔ عمیر بن ابی وقاص (بنی زہرہ کے تھے ان کو عمرو بن عبدودّ نے شہید کیا تھا)، بنی زہرہ کے حلیف عمیر بن عبد بن عمرو بن نضلہ (جن کو ابواسامہ زہیر بن معاویہ الجشمی نے شہید کیا تھا) (۳)۔ بنی عدی بن کعب سے عاقل بن بکیر (۴) (بعض لوگوں نے ابن ابی بکیر کہا ہے لیکن بن بکیر زیادہ صحیح ہے۔ ان کو مالک بن زہیر جشمی نے قتل کیا تھا)۔ مہجع (۵) (حضرت عمرؓ کے غلام، ان کو عامر الحضرمی نے قتل کیا تھا)، ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بدر کے پہلے کے شہید ہیں)۔ بنی حارث بن فہر میں سے صفوان بن بیضا (۶) (ان کو طعیمہ بن عدی نے قتل کیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۳۸ برس تھی)۔ اوس سے مبشر بن عبدالمنذر (۷) (ان کو ابوثور نے قتل کیا تھا)۔ سعد بن خیثمہ (۸) (ان کو بھی عمرو بن عبدودّ اور ایک روایت کے مطابق طعیمہ بن عدی نے شہید کیا تھا)۔ خزرج سے حارثہ بن سراقہ (۹) (جو حبان بن العرقہ (کچھ لوگوں نے العرفہ کہا ہے لیکن یہ تصحیف ہے) کے تیر سے زخمی ہوئے تیر ان کے نرخرہ میں لگا اور وہ شہید ہوئے)۔ عوف (۱۰) اور معوذ (۱۱) (یہ

---

دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

دونوں لڑکے عفراء کے ہیں۔ عفراء جب حارث بن رفاعہ کے پاس تھیں تو ان سے معاذ اور معوذ دو لڑکے پیدا ہوئے، طلاق کے بعد بکر بن عبد یا لیل سے شادی ہوئی، ان سے عاقل، عامر، خالد اور ایاس پیدا ہوئے، پھر وہ مدینہ آ گئیں تو حارث نے ان سے پھر شادی کی تو ان سے عوف پیدا ہوئے۔ واقدی کے بیان کے مطابق جنگ بدر میں ابوجہل کے ہاتھوں یہ دونوں شہید ہوئے، کلبی بدر میں عوف کے بجائے معاذ کی شہادت کے قائل ہیں)۔ عمیر بن الحمام بن الجموح (۱۲) (ان کو خالد بن اعلم العقیلی نے شہید کیا تھا)۔ رافع بن معلّی الزرقی (۱۳) (ان کو عکرمہ بن ابی جہل نے شہید کیا)۔ یزید بن حارث فسحم (۱۴) (یہ واقدی کا قول ہے، کلبی کا بیان ہے کہ یزید الشاعر بن حارث بن قیس، بنی حارث بن خزرج کے ایک شخص تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فسحم یزید کی ماں کا نام ہے اور یہ قین بن قضاعہ میں سے تھیں، ان کو نوفل بن معاویہ الدیلمی نے قتل کیا تھا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضورؐ کے غلام انسہ روز بدر شہید ہوئے لیکن یہ ثابت نہیں ہے، ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ احد میں شہید ہوئے، یہ بھی روایت ہے کہ اس کے بعد بھی زندہ تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں انتقال ہوا۔ (ص ۲۹۶)

شہدائے بدر کی یہی فہرست ابن سعد نے بھی دی ہے، البتہ ناموں میں اختلاف ہے (۱)۔ عمیر بن عبد عمرو کا نام ابن سعد میں نہیں ہے۔ آخری نام کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے کہ "نام معلوم نہیں ہے" (۲)۔ انسہ کی شہادت بلاذری کے بیان کے متعلق محل نظر ہے جیسا کہ سطور بالا میں گزر چکا ہے۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ "خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ شخصوں نے شہادت پائی، جن میں ۶ مہاجر باقی سب انصار تھے" (۳)۔ مولانا شبلی نے نام نہیں لکھے۔ بلاذری کی فہرست کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ہر شہید کے متعلق واضح طور پر نشان دہی کی ہے کہ ان کا تعلق کس قبیلہ سے تھا، وہ کس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

**مقتولین و اسیران بدر:** سیرت نگاروں نے بالعموم لکھا ہے کہ قریش کے ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ بعض نے بعض ناموں کی نشان دہی کی ہے۔ بلاذری کی خاص بات یہ ہے کہ جس قدر نام انہوں نے گنائے ہیں، غالباً اتنے کسی نے بھی ایک جگہ نہیں لکھے ہیں۔ خود صاحب طبقات نے بھی صرف ۱۸ مقتولین اور گیارہ اسیروں کے نام لیے ہیں۔ بلاذری نے ۷۴ مقتولین اور ۱۲۶ اسیروں کا نام بہ نام تذکرہ کیا ہے (ص ۲۹۶ - ۳۰۵)۔ دونوں قسم کی فہرستوں کا مقابلہ جب بلاذری کی نقل کردہ

فہرست سے کیا گیا تو چند ایک کے سوا معلوم ہوا کہ صاحب طبقات کی نقل کردہ فہرست کے بیشتر نام فہرست بلاذری میں موجود ہیں۔ مقتولین میں صرف بلاذری نے عاص بن ہشام بن المغیرہ جو عمر بن الخطاب کے ماموں تھے اور اسیروں میں وہب بن عمیر بن وہب الجمحی اور ابو وداعہ بن ضبرہ سہمی کے نام نقل نہیں کیے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مقتولین میں کس صحابی کے ہاتھوں کون قتل کیا گیا؟ کس قیدی کا فدیہ کس نے کتنا اور کیا ادا کیا؟ مقتول واسیر کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟ کس قیدی کو بلا فدیہ آزاد کیا گیا؟ بلاذری نے مختصراً ہی سہی یہ ضروری تفصیلات بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

بلاذری کی تحقیق کے مطابق بنی عبد شمس بن عبد مناف سے ۱۱، بنی نوفل بن عبد مناف سے ۷، بنی عبدالدار سے ۲، بنی تیم بن مرہ سے ۱، بنی مخزوم سے ۱۵، بنی جمح سے ۲، بنی سہم سے ۵، بنی عامر بن لوی سے ۱۳ اشخاص قتل کیے گئے۔ بعض مقتولین بدر کے سلسلہ میں اپنی ترجیح بھی تحریر کی ہے۔ مثلاً عمرو بن الحضرمی کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ کعب بن زید النجاری کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بلاذری کے نزدیک اس کا قتل سریہ ابن جحش میں ہوا تھا۔ ''الثبت انه قتل فی سریة ابن جحش''۔ (ص ۳۰۱)

اسیران بدر کے سلسلہ میں بلاذری نے واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ مقتولین واسیران بدر کی تعداد برابر برابر یعنی ۷۰/۷۰ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایسے ہی مروی ہے۔ لیکن زہری نے جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق دونوں کی تعداد ۷۰ سے زائد تھی۔ کان الاسری یوم بدر اکثر من سبعین و القتلی اکثر من سبعین ایضًا (ص ۳۰۵)۔ اس کے علاوہ واقدی ہی کی ایک روایت جس کا سلسلۂ سند عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن صعصعۃ تک پہنچتا ہے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسیران بدر کی کل تعداد ۷۴ تھی (ص ۳۰۶)۔ اسر یوم بدر اربعة و سبعون رجلا۔ لیکن ناموں کی جو فہرست دی ہے اس میں عقیل بن ابی طالب سے سہیل بن عمرو تک ۲۶/افراد کے نام تحریر کیے ہیں۔ بعض ممتاز اسیروں کا ذکر ذیل میں مختصراً کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ بدری قیدیوں پر یوں تو چار چار ہزار درہم فدیہ کی رقم مقرر کی گئی تھی لیکن ناداری کے سبب بعض لوگ بغیر فدیہ کی ادائیگی کے چھوڑے گئے۔ درج ذیل تفصیل سے اس کا علم بھی ہوگا۔

عقیل بن ابی طالب کو عبید بن اوس نے قید کیا اور ان کے چچا عباس بھی قید کیے گئے، دونوں

نے فدیہ ادا کیا۔نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب کو جبار بن صخر اور سائب بن عبید و عبید بن عمرو بن علقمہ دونوں کو سلمہ بن اسلم بن حریش الاشہلی نے قید کیا، رسول اللہؐ نے دونوں کو بلا فدیہ کے آزاد کر دیا۔ عقبہ بن ابی معیط، عبداللہ بن سلمہ العجلانی اور حارث بن ابی وجرہ (جن کو وجرہ بن ابی عمرو بن امیہ بھی کہا جاتا ہے)، سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں قید ہوئے۔حارث کے فدیہ کی رقم چار ہزار ولید بن عقبہ نے ادا کی۔عمرو بن ابی سفیان بن حرب کو حضرت علیؓ نے قیدی بنایا تھا، سعد بن اکّال اسی زمانہ میں عمرہ کرنے مکہ گئے تو ابوسفیان نے ان کو محبوس کر لیا اور کہلا بھیجا کہ آپؐ عمرو بن ابی سفیان کو آزاد کریں گے تبھی سعد چھوڑے جائیں گے، چنانچہ عمرو بن ابی سفیان کو بغیر فدیہ لیے آپؐ نے بھیج دیا تو ابوسفیان نے بھی ابن اکّال کو ان کے عوض آزاد کیا (ص ۳۰۱)۔بعض لوگوں سے ان کا نام سعد بن نعمان بن اکّال اور کلبی سے زید بن اکّال بن لوذان بن الحارث بن امیہ بن زید بن مالک مروی ہے۔ابوالعاص بن الربیع، عمرو بن الازرق، ابوالعاص بن نوفل، عثمان بن عبد شمس، ابوثور، ابوعزیز بن عمیر، عدی بن الخیار، اسود بن عامر، سائب بن ابی حبیش بن المطلب بن اسد، حویرث بن عباد، مالک بن عبیداللہ، امیہ بن المغیرہ، عثمان بن عبداللہ، ولید بن ولید بن مغیرہ، صیفی بن ابی رفاعہ، خالد بن اعلم عقیلی، عبداللہ بن ابی خلف، ابوعزہ الجمحی اور سہیل بن عمرو کو اسیران بدر میں لکھا ہے (ص ۳۰۱۔ ۳۰۳)۔اور کس کو کس نے اسیر کیا، اس کی تفصیل فراہم کی ہے۔سہیل بن عمرو کو مالک بن دخشم نے اسیر کیا تھا۔بلاذری نے سہیل کے متعلق قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔یہ حضرت سودہؓ کے عزیز تھے، جب ان کی نگاہ ان پر پڑی تو ابن ہشام میں ہے کہ وہ بے ساختہ بول اٹھیں، تم نے بھی عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن لیں، یہ نہ ہوسکا کہ لڑ کر مر جاتے (۴)۔بلاذری لکھتے ہیں کہ حضرت سودہؓ نے جب ان کو قید میں اس حال میں دیکھا کہ ان کا ہاتھ پیچھے گردن میں تھا تو خود کو روک نہیں پائیں اور کہا تم لڑ کر شریفانہ مر نہیں سکتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے سودہ! اللہ اور اس کا رسول بڑا ہے۔تو سودہؓ نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کو اس حالت میں دیکھ کر روک نہیں پائی۔اے اللہ کے رسولؐ معاف کر دیجیے، آپؐ نے فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے۔(ص ۳۰۳)

**بدر کے بعد کے غزوات:** غزوۂ بدر کے بعد غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سویق، غزوۂ قرقرۃ الکدرہ، غزوۂ بنی غطفان ذی امر، غزوۂ بحران نام سے غزوات کی تفصیل ہے۔جن کے وقوع کے سنین کا تذکرہ

اوپر کیا جاچکا ہے۔ یہاں ہر غزوہ کے ان اصلی اسباب کا تذکرہ مختصراً کیا جائے گا جن کی نشان دہی بلاذری نے کی ہے۔ اسباب بالعموم وہی لکھے ہیں جو ارباب سیر نے تحریر کیے ہیں یعنی غزوۂ بنی قینقاع کا اصلی سبب یہودیوں کی جانب سے نقض عہد اور ایک انصاری عورت کی سر بازار بے حرمتی، غزوۂ سویق کا سبب جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ پر ابوسفیان کی چڑھائی اور آنحضورؐ کا تعاقب، غزوۂ کدر کا سبب بنی غطفان و بنی سلیم کا حملہ کے لیے قرقرۃ الکدر کے پاس اکٹھا ہونا، غزوۂ بنی غطفان کا سبب بھی مقام ذی امر میں بنی ثعلبہ و بنی محارب اور غزوۂ بحران کا سبب بنی سلیم کا مقام بحران میں اجتماع تھا۔ (ص ۳۱۰-۳۱۱)

**غزوۂ احد:** غزوۂ احد کی تفصیلات ۲۸ صفحات میں ہیں۔ بدر کے بعد احد کا معرکہ غزوات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بلاذری کے مطابق ۷؍شوال ۳ھ میں سنیچر کے روز پیش آیا (ص ۳۱۳)۔ یہ دراصل کشتگان بدر کی انتقامی جنگ تھی جو بدر سے بھی زیادہ تیاری کے ساتھ لڑی گئی تھی۔ بعض اشراف قریش اسود بن مطلب، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ابی ربیعہ، حویطب بن عبدالعزیٰ ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ یہ اہل مکہ کے اموال ہیں، اس کو محمدؐ پر چڑھائی کے مصرف میں خرچ کریں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان خود ان لوگوں کے پاس گئے تھے اور مدینہ پر لشکر کشی کی تحریک کی تھی۔ **فدعاھم الی توجیہ جیش الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم**۔ (ص ۳۱۲)

**احد کے اہم واقعات:** احد کے اہم واقعات میں خاتونان حرم کی شرکت بھی تھی۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونان حرم تھیں۔ جس جنگ میں خواتین ہوتیں، عرب عورتوں کی بے حرمتی اور بے عصمتی کا خیال کر کے اپنی جان پر کھیل کر لڑتے تھے۔ علامہ شبلی نے معزز گھرانوں کی آٹھ خواتین ہند بن عقبہ، ام حکیم، فاطمہ، برزہ، ریطہ، خناس کے علاوہ حاشیہ میں سلافہ بنت سعد اور عمیرہ بنت علقمہ کا طبری اور زرقانی کے حوالہ سے نام تحریر کیا ہے (۵)۔ بلاذری نے کل ۱۳؍خواتین کے نام لکھے ہیں، جن میں ریطہ اور عمیرہ نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ بلاذری نے جن اور عورتوں کے نام لکھے ہیں ان میں امیمہ بنت سعید کنانی، بغوم بنت المعذّل کنانی، ہند بنت منبہ بن حجاج سہمی، رملہ بنت طارق، ام حکیم بنت طارق بن علقمہ، قتیلہ بنت عمرو بن ہلال، مسک الذئب

الکنانی کی بیوی دغینہ اور عمرہ ہیں جس نے علم قریش کو بڑھ کر دلیرانہ اٹھالیا تھا۔(ص ۳۱۳)

اس کے علاوہ مکتوب عباس بنام آنحضور جس میں عباس نے قریش کی تیاریوں کی اطلاع دی تھی، یعنی مشرکین کا مدینہ کے قریب پہنچنا اور اپنے اونٹوں کو انصار کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑنا، خواتین قریش کا مقتولین بدر کے لیے پر جوش ماتم کرنا، قریش کی تین ہزار پر مشتمل جمعیت، جن میں سات سو زرہ پوش، تین ہزار اونٹ، دوسو گھوڑے۔(ص ۳۱۳)

**آنحضورؐ کا خواب وخطاب:** آنحضورؐ کا خطاب اور خطاب میں اپنے خواب کا ذکر کہ آپ ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں، آپؐ کی تلوار ذوالفقار دھار کے پاس سے ٹوٹ گئی ہے۔ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور ایک مینڈھا اس کے پیچھے ہے۔ آپؐ سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ محفوظ زرہ مدینہ ہے، تلوار کا ٹوٹ جانا مجھ پر مصیبت ہے، مذبوحہ گائے میرے اصحاب کا شہید ہونا ہے، مینڈھے کے تعاقب سے مراد لشکر کفار ہے جن کو انشاء اللہ ہم قتل کریں گے(۳۱۴)۔ صاحب طبقات نے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ کے اس خواب کی وجہ سے رائے ہوئی کہ مدینہ سے نہ نکلیں اور آپؐ بھی چاہتے تھے کہ آپؐ کی رائے کی موافقت کی جائے۔ اس لیے آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، عبداللہ بن ابی اور اکابر مہاجرین وانصار نے یہی رائے دی۔ **فکان رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان لا یخرج من المدینۃ لھذہ الرؤیا فاحب ان یوافق علی مثل رایہ فاستشار اصحابہ فی الخروج فاشار علیہ عبداللہ بن ابی بن سلول ان لا یخرج و کان ذلک رای الاکابر من المھاجرین و الانصار۔(۶)**

**عبداللہ بن ابی کا واپس ہونا:** عبداللہ بن ابی کی رائے بھی شہر سے باہر نکل کر لڑنے کی نہ تھی، چنانچہ بلاذری کے مطابق اس کے منافق ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تمہاری رائے قبول نہیں کی گئی جبکہ آنحضورؐ نے اپنے ساتھ کے چھوٹے بچوں کے مشورہ کو قبول کرلیا، اس لیے وہ تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوگیا۔ **فلم یقبل منک و اطاع ھؤلاء الغلمان الذین معہ فانصرف فی ثلاث مأۃ۔**(ص ۳۱۵)

**صحابہ کرامؓ کی تعداد:** آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ پہرہ داری کے لیے مقرر کیا اور مشرکین سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے (ایضاً)۔ مسلمانوں کے پاس جنگ احد میں صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک آنحضورؐ کے پاس اور دوسرا ابی بردہ بن نیار البلوی کے پاس۔ مسلمانوں کی کل

تعداد ایک ہزار تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جتنی قوت اور ساز و سامان جنگ بدر میں تھا اتنا اس میں بھی تھا، ویقال کانوا امنعتھم یوم بدر۔ (ص ۳۱۶)

**معاملہ رافع وسمرہ:** ان میں سو آدمی زرہ پوش تھے۔ جب مقام شیخین پہنچے تو آپؐ کے سامنے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، اسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس بن قیظی، ابوسعید الخدری، سمرہ بن جندب، رافع بن خدیج پیش کیے گئے۔ رافع کا بیان ہے کہ میں لمبا ہونے کی کوشش کرنے لگا اور رسول اللہؐ کو یہ بتایا کہ میں تیر انداز ہوں۔ چنانچہ مجھے آپؐ نے اجازت دے دی (۷)۔ سمرہ کی بات آئی تو ان کے والد مری بن ثابت نے آنحضورؐ سے کہا کہ آپؐ نے میرے بیٹے کو واپس کردیا حالانکہ میرا بیٹا رافع کو پچھاڑ سکتا ہے تو آپؐ نے دونوں میں مقابلہ کرایا، سمرہ غالب آئے تو ان کو بھی اجازت مل گئی (ایضاً)۔ انہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصارعا فصرع سمرہ رافعا فاجازہ۔ بلاذری نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سمرہ کو جنگ احد میں ایک تیر لگا جس کے سبب ان کی ہنسلی ہنستے وقت باہر آجاتی تھی اور ان کو عجیب محسوس ہوتا تھا تو رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم کہو تو میں اللہ سے دعا کروں، تو تم اس سے نجات پا جاؤ، اگر چاہو تو رہنے دو۔ اس لیے کہ جب تم اس حالت میں انتقال کروگے تو شہید ہوگے۔ چنانچہ رافع نے اس کو ویسے ہی رہنے دیا۔ (ایضاً)

**مشرکین اور آنحضورؐ کی صف آرائی:** مشرکین نے میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ اور ایک روایت کے مطابق عمرو بن العاص کی کمان میں تھا اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو سو تیر اندازوں کا افسر مقرر کیا تھا۔ (ایضاً)

آنحضورؐ نے مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا، میمنہ اور میسرہ بنایا، خطبہ دیا۔ جہاد کی ترغیب دی، صبر، یقین اور جدو جہد اور سرگرم رہنے کی تلقین کی (ایضاً)۔ مہاجرین کا علم حضرت علیؓ کو عنایت کیا۔ مشرکین کے علم کے متعلق پوچھا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہم اس وفائے عہد یعنی مقابلہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر علم مصعب بن عمیر کے حوالہ کیا۔ اوس کا علم اسید بن حضیر اور خزرج کا سعد بن عبادہ اور ایک روایت کے مطابق حباب بن منذر کے پاس تھا۔ تیر اندازوں کا افسر عبداللہ بن جبیر کو مقرر کیا۔ مدینہ کو سامنے اور احد کو پشت پر رکھا اور تیر اندازوں سے جن کی تعداد پچاس تھی فرمایا کہ دیکھو اسی مقام پر ڈٹے رہنا، یہاں سے ہٹنا نہیں۔ ہماری پشت کی حفاظت کرنا اگر

ہماری شکست بھی ہورہی ہوتب بھی تم اسی جگہ ثابت قدم رہنا، یہاں سے کسی بھی صورت ہٹنا نہیں۔ مسلمان تیر برسانے لگے اور کوئی تیر ایسا نہیں تھا جو کسی آدمی یا گھوڑے پر نہ لگتا رہا ہو۔ (ص ۳۱۷)

**خاتونان قریش کا دف بجانا اور رجزیہ اشعار پڑھنا:** تمام مصادر سیرت بالخصوص ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ خواتین قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی نکلیں اور انہیں برانگیختہ کرنے لگیں (۸)۔ بلاذری نے بھی لفظ "قالوا" سے یہی بات لکھی ہے "فجعل نساء قریش یضر بن یوم احد بالدفوف و یقلن" (ص ۳۱۷) لیکن ابن ہشام کے مطابق ابوسفیان کی بیوی آگے تھی اور اس کے ساتھ کچھ عورتیں تھیں۔ قامت ھند بنت عتبہ فی النسوۃ الاتی معھا (۹)۔ صاحب سیرۃ النبی نے ابن ہشام کے حوالہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہند کے ساتھ چودہ عورتیں تھیں (۱۰) جب کہ اصل روایت میں عورتوں کی تعداد نہیں ہے۔ ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس روایت کے ذیل میں تعداد تحریر نہیں کی ہے۔

**مسلمانوں کی فتح و شکست:** تقریباً تمام سیرت نگاروں نے اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح و غلبہ کا حال لکھا ہے اور مسلمانوں کو فاتح قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے بے پناہ حملوں اور ان کے شجاعانہ کارناموں کے سبب قریشیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خواتین قریش جو مسلسل ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں، حواس باختہ ہوکر پیچھے ہٹ گئیں اور بلاذری کے بیان کے مطابق انہوں نے اپنے مردوں پر یہ عظیم مصیبت دیکھی۔ و رای النساء بر جالھن امرا عظیما۔ (ص ۳۱۷۔۳۱۸) مشرکین شکست سے دوچار ہوگئے، فانھزم المشر کون (ایضاً) اس کے بعد مسلمان مشرکین کی فوج میں داخل ہوکر غنائم کے حصول میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ پچاس تیرانداز جو پشت پر مقرر تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی بات نہ مانی۔ اور کہا کہ رسول اللہؐ نے یہاں جنگ جاری رہنے تک "رکنے" کہا تھا۔ فقال قائلھم انما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوقوف ما دامت الحرب (ص ۳۱۸)۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر مشرکین نے ان پر حملہ کردیا، خالد بن ولید نے پہاڑ کی پشت کی جانب سے حملہ کیا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے اور زیادہ تر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور صرف ۱۵/ اشخاص آپؐ کے اصحاب میں بچے جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر آپؐ کا دفاع کیا (ایضاً)۔ اور حملے کے وقت آپؐ کی حفاظت میں لگے رہے (ایضاً) فلم یثبت مع رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم الا خمسة عشر رجلا فکانوا الا یفارقونه وحموه حین کر المشرکون۔

صاحب سیرۃ النبی نے ان جاں نثاروں کی کل تعداد گیارہ تحریر کی ہے جن میں حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابودجانہؓ اور حضرت طلحہؓ کا نام بطور خاص لکھا ہے۔ اور صحیح بخاری کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آنحضورؐ کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے۔(۱۱)

اس کے برخلاف بلاذری نے اپنی روایت میں آٹھ مہاجرین یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی الوقاصؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور سات انصاری صحابہ حباب بن المنذرؓ، ابودجانہؓ، عاصمؓ بن ثابت بن افلح، حارثؓ بن الصمہ، سہل بن حنیف، اسید بن حضیر، سعد بن معاذ کے نام تحریر کیے ہیں (ص ۳۱۸)۔ ابن سعد نے سات مہاجر اور سات انصاری صحابہ یعنی کل ۱۴/کی تعداد لکھی ہے (۱۲) ثبت معه عصابة من اصحابه اربعة عشر رجلا سبعة من المهاجرین وسبعة من الانصار۔ جنگ احد میں جن آٹھ صحابہ نے آپؐ پر قربان ہونے کی آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان میں علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، ابودجانہؓ، حارث بن صمہؓ، حباب بن منذرؓ، عاصم بن ثابتؓ، سہل بن حنیفؓ تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی شہادت نصیب نہیں ہوئی (ایضاً)۔ بایع رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم احد علی الموت ثمانیة .... فلم یقتل احد منهم۔

**آپؐ پر حملہ کی تفصیل:** عام ارباب سیر نے جنگ احد میں مسلمانوں بالخصوص آپؐ پر حملہ کی تفصیل کا بہت دردناک نقشہ کھینچا ہے اور لکھا ہے کہ دونوں فوجیں بدحواسی میں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ واختلط المسلمون فصاروا یقتلون علی غیر شعار۔ (۱۳) مسلمانوں نے اس جنگ سے بہت کچھ سیکھا اور غالباً پوری اسلامی تاریخ میں شاید ہی اس کے بعد کوئی ایسی جنگ ہوئی ہو جس میں مسلمانوں کی ایسی بدحواسی ظاہر ہوئی ہو کہ وہ اپنے اور غیر میں تمیز نہ کر سکے ہوں۔ کتب احادیث میں ہے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے قتل کے بعد یہ شور مچ گیا کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ لیکن بلاذری نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آپؐ پر حملہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں، آنحضورؐ کے اگلے چار دانتوں پر

ضرب آ گئی، ہونٹ، چہرہ اور پیشانی پر زخم آ گیا۔عبداللہ بن شہاب زہری، عتبہ بن ابی وقاص، ابن قمۂ ادرمی، ابی بن خلف جمحی، عبداللہ بن حمید نے آپؐ کو قتل کرنے کا آپس میں عہد کیا تھا۔ چنانچہ ابن شہاب نے آپؐ کی پیشانی پر اور عتبہ نے چار پتھر پھینکے، جس سے آپؐ کے اگلے چار دانت زخمی ہو گئے، ابن قمۂ نے چہرہ مبارک پر تلوار ماری جس کے صدمہ سے مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں، آپؐ گر پڑے اور آپؐ کا زانو چھل گیا۔ ابی بن خلف نے آپؐ پر نیزہ مارا، اللہ نے آپؐ کی مدد فرمائی اور آپؐ کے ہاتھوں اس کا قتل ہوا۔ عبداللہ بن حمید آپؐ پر حملہ کے لیے بڑھا تو ابو دجانہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور کہا یہ لو، میں ابن خرشہ ہوں تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ابن خرشہ سے راضی ہو جا، اس لیے کہ میں اس سے راضی ہوں۔ **اللھم ارض عن ابن خرشہ فانی عنہ راض**۔ (ص ۳۲۰)

**آنحضورؐ کا اپنے حملہ آوروں کے لیے بددعا کرنا:** واقدی کی روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ان قاتلوں کے لیے بددعا کی تھی کہ اے اللہ ان میں سے کسی پر سال نہ گزرنے پائے۔ چنانچہ عتبہ اور ابن قمۂ تو اسی جنگ میں مارے گئے۔ بقیہ کے متعلق واقدی خاموش ہیں۔ اس پر بلاذری لکھتے ہیں کہ واقدی نے ابن شہاب اور اس کی ہلاکت کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال ہے کہ ان کو وہم ہوا ہے **احسب ذلک بالوھم منہ**۔ (ص ۳۲۴) جہاں تک ابی اور ابن حمید کا معاملہ ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن حمید جنگ بدر ہی میں مارا جا چکا تھا، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا قتل احد میں ہوا۔ عبداللہ ابن شہاب کے متعلق کچھ قریشی لوگوں سے معلوم ہوا کہ مکہ جاتے وقت راستہ میں اس کو اژدھے نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ بعض بنی زھرہ نے بھی اس کے متعلق اس بات سے انکار کیا کہ رسول اللہؐ نے اس کے لیے بددعا کی یا اس نے آنحضورؐ پر حملہ کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ آپؐ پر عبداللہ ابن حمید اسدی نے حملہ کیا تھا۔ (ایضاً)

**بعض اور واقعات:** حضرت فاطمہؓ کا آپؐ کے چہرہ پر جاری خون کو دھونا، خون نہ رکنے پر چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ کا زخم پر رکھنا، والد محترم کی حالت دیکھ کر آنسو بہانا، حضرت علیؓ کا پانی لانا، حضرت صفیہ کا یہودی پر حملہ، آنحضورؐ کا حضرت حمزہؓ کے بارے میں پوچھنا (ایضاً)۔ حضرت عمرو بن ثابت کا جنگ احد کے دن قبول اسلام اور ان کی شہادت اور ایک وقت کی بھی نماز کا موقع نہ ملنا اور آپؐ کی بشارت "**وانہ لمن اھل الجنۃ**"۔ یہودی عالم مخیریق کا آنحضورؐ کے لیے لڑنا اور قتل ہونے پر اپنی

جائداد کے متعلق یہ کہنا کہ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو میرے اموال محمدؐ کو دیے جائیں، وہ اللہ کی مرضی کے مطابق جس کو چاہیں دے دیں گے۔ **ان اصبت فاموالی لمحمد یضعھا حیث اراہ اللہ** (۱۴)۔نسیبہ بنت کعب ام عمارہ کی شرکت اور آپؐ کے لیے عین مشرکوں کے حملہ کے وقت سینہ سپر ہوجانا، آنحضورؐ کا دفاع کرتے وقت ابن قمۂ کی تلوار سے ان کے کندھے پر زخم آنا (ایضاً)۔وہب بن قابوس اور ان کے بھتیجے حارث بن عقبہ کی احد میں شرکت وشہادت اور حضرت عمرؓ کا ان دونوں کی شہادت پر رشک کرنا وغیرہ کا ذکر بھی ہے۔(ص ۳۲۶)

**احد میں پیچھے رہ جانے والے صحابہ:** جنگ احد میں پیچھے رہ جانے والوں میں حارث بن حاطب، ثعلبہ بن حاطب، سواد بن غزیہ، سعد بن عثمان، عقبہ بن عثمان، خارجہ بن عامر، اوس بن قبطی اور حضرت عثمان بن عفان کا نام لیا ہے (ایضاً)۔

**اختتام جنگ پر ابوسفیان وحضرت عمرؓ کے مابین مکالمہ:** جنگ کے بعد جب دونوں فوجیں الگ ہوگئیں تو ابوسفیان سامنے آیا اور کہا کہ ابن کبشہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر کہاں ہیں؟ یہ بدر کا انتقام ہے۔ جنگ کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ رسول اللہؐ ہیں، یہ ابوبکر اور یہ میں ہوں۔ اس کے بعد ''**اعل ھبل**'' والی مشہور روایت نقل کی ہے۔ عام طور پر ''**اللہ مولٰنا ولا مولی لکم**'' پر سیرت نگاروں نے اس رجزیہ گفتگو کو ختم کردیا ہے لیکن بلاذری نے آنحضورؐ کے اس قول پر ''**لا سواء قتلانا فی الجنۃ احیاء یرزقون وقتلاکم فی النار یعذبون**'' یعنی دونوں برابر نہیں ہیں، ہمارے مقتول جنت میں ہوں گے، وہ زندہ ہیں اور انہیں اللہ کی طرف سے رزق پہنچایا جاتا ہے اور تمہارے مقتول جہنم میں ہوں گے (ص ۳۲۷) پر ختم کیا ہے۔ (۱۵)

**شہدائے احد کی تعداد:** مولانا سید سلیمان ندوی نے بخاری کے حوالے سے شہدائے احد کی کل تعداد سترّ تحریر کی ہے (۱۶)۔ ابن سعد کے مطابق صرف انصاری صحابہ کی تعداد سترّ تھی (۱۷)۔ بلاذری نے سترّ کے ساتھ ساتھ ۷۳/۷۴ کی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے لیکن نام ۷۲/افراد کے لکھے ہیں (ص ۳۲۸۔ ۳۳۴)۔ انداز یہ اختیار کیا ہے کہ کس صحابی نے کس کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا، زیادہ تر ان کے نام بھی لکھ دیے ہیں۔ بلاذری کے مطابق مہاجرین میں حضرت حمزہ وحشی حبشی اور شماس بن عثمان بن شریک، عبداللہ بن جحش اسدی، ابوالحکم بن اخنس بن شریق، حضرت سعد مولی حاطب ابن ابی بلتعہ،

حلیف زبیر (ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ بدر میں شہید ہوئے، حالانکہ یہ غلط ہے **ذلک غلط**) ابی بن خلف، ابوسلمہ بن عبدالاسد جراح (یہ زخمی ہوئے لیکن انتقال احد کے بعد ہوا)، حضرت مصعب بن عمیر، ابن قمئہ کے ہاتھوں اور حبیب کے دونوں لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمٰن، وہب بن قاموس اور حارث بن عقبہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (ص ۳۲۸)

بلاذری نے شہدائے احد میں انصاریوں کے ناموں کی جو فہرست نقل کی ہے اس کو شمار کرنے سے معلوم ہوا کہ قبیلہ اوس کے ۲۴/ اور قبیلہ خزرج کے ۴۰/ افراد شہید ہوئے۔ اس طرح انصاری صحابہ کی کل تعداد ۶۴/ اور مہاجرین کی ۸/ ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ جب خالد بن ولید نے پیچھے سے حملہ کیا تو بدحواسی میں خود مسلمان ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے اور دوست و دشمن کی تمیز نہ رہی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت حذیفہ کے والد یمان کی جان اسی میں گئی۔ حذیفہ چلاتے رہے لیکن ان کی چیخ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تمہیں بخش دے (۱۸)۔ یمان حذیفہ کے والد کا لقب تھا، ان کے نام کی صراحت حاشیہ میں بھی نہیں کی گئی ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ یمان حذیفہ کے والد تھے، مسلمانوں نے ان کو کافر سمجھ کر شہید کر دیا۔ **كان اليمان والد حذيفة في المعركة وظن المسلمون انه من عسكر الكفار فقصد واقتله** (۱۹)۔ بلاذری نے ان کا نام حسیل بن جابر بن ربیعہ اور ان کو حلفائے بنی عبدالاشہل میں لکھا ہے اور یمان کے لقب کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے قبیلہ یمانیہ سے معاہدہ کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عتبہ بن مسعود نے ان کا قتل کافر سمجھ کر کیا تھا۔ **سماه قومه "اليمان" لانه حالف اليمانية قتله المسلمون خطأ ويقال قتله عتبه بن مسعود خطأ وهو يظنه كافرا** (ص ۳۲۹)۔ ابن ہشام میں ہے کہ آنحضورؐ نے ان کو اور حضرت ثابتؓ کو بچوں اور عورتوں کی حفاظت میں مدینہ کے پاس قلعوں میں بھیج دیا تھا لیکن مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر یہ احد کی طرف بڑھے اور خود مسلمانوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ (۲۰)

**مقتولین احد کی تعداد:** ابن سعد لکھتے ہیں کہ مشرکین میں سے ۲۳ مقتول ہوئے لیکن صرف ۱۰/ لوگوں کے نام گنائے ہیں (۲۱)۔ بلاذری نے صراحتاً کوئی تعداد تحریر نہیں کی، البتہ جو نام لکھے ہیں ان کو شمار کرنے سے ۲۲ کی تعداد سامنے آتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس صحابی کے ہاتھوں کس

کافر کی موت ہوئی (ص ۳۳۴۔۳۳۵) عبداللہ بن حمید کو ابو دجانہؓ، طلحہ بن ابی طلحہ کو علیؓ، اس کے بھائی عثمان کو حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ، سعد بن ابی طلحہ کو سعد بن ابی وقاص، مسافع بن طلحہؓ، حارث بن طلحہ کو عاصم بن ابی الافلحؓ، کلاب بن طلحہ کو طلحہ بن عبیداللہؓ، قاسط بن شریح بن عثمان کو حضرت علیؓ، (ان کے علاوہ کسی اور کے قتل کرنے کی بھی روایت ہے)، ارطاۃ بن عبد شرحبیل کو حضرت علیؓ، ابوعزیز یعنی زرارہ بن عمیر کو قزمانؓ (۲۲) حلیف بنی ظفر، ابوالحکم بن ابوخنس بن شریق کو حضرت علیؓ، سباع بن عبدالعزی کو حضرت حمزہؓ، ہشام بن امیہ اور ولید بن العاص کو قزمانؓ، امیہ بن ابی حذیفہ کو حضرت علیؓ، خالد بن الاعلم عقلی کو قزمانؓ، عثمان بن عبداللہ کو حارث بن الصمہؓ، عبید بن حاجز عامری کو ابو دجانہؓ، شیبہ بن مالک کو طلحہ بن عبیداللہؓ، ابی بن خلف کو آنحضورؐ نے ابوعزہ (۲۳) عمرو بن عبداللہ کو آپؐ کے حکم سے عاصم بن ثابت بن ابی الافلحؓ نے موت کے گھاٹ اتارا۔ (ص ۳۳۴۔۳۳۵) ابن ہشام نے بھی ابن اسحاق کے حوالہ سے مشرکین کی تعداد ۲۲ لکھی ہے۔ انہ و قال ابن اسحاق فجمیع من قتل اللہ تبارک و تعالی یوم احد من المشرکین اثنان و عشرون رجلا۔ (۲۴)

اس کے بعد شہدائے احد پر جنازہ اور انہیں قبروں میں اتارنے اور دفن کرنے کا ذکر ہے (ص ۳۳۶)۔ حضرت حمزہؓ کے بارے میں ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن پر آپؐ نے چار مرتبہ تکبیر فرمائی، پھر آپؐ کے پاس دیگر شہدا اکٹھا کیے گئے، جب کوئی شہید لایا جاتا تو حمزہؓ کے پہلو میں رکھ دیا جاتا، پھر آپؐ ان پر اور اس شہید پر نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح آپؐ نے حضرت حمزہؓ پر ۷۰ مرتبہ نماز پڑھی، حتی صلی علیه سبعین مرة (ص ۲۳۶)، حضرت حمزہؓ کے مثلہ کا ذکر ہے لیکن ہند کے کلیجہ چبانے کی مشہور روایت اس سلسلۂ بیان میں نظر سے نہیں گذری۔

**غزوہ حمراء الاسد:** بعض مصادر سیرت میں واقعہ حمراء الاسد کا مستقل ایک غزوہ کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ ابن سعد نے اس کو الگ غزوہ تسلیم کیا ہے اور غزوہ احد کے بعد اسی غزوہ کا ذکر ہے (۲۵)۔ بلاذری نے بھی اس کو الگ غزوہ کی حیثیت سے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ۸/ یا ۹/ شوال ۳ھ میں ہوا۔ حمراء الاسد مدینہ سے ۸ یا ۹ میل کے فاصلہ پر ہے، مشرکین وہاں تک پہنچ چکے تھے کہ آپ نے منادی کرادی کہ دشمن کی تلاش میں نکلیں اور وہی شخص جائے گا جو احد میں ہمارے ساتھ نہیں تھا (ص ۳۳۸) لا یخرج من کان باحد اس کے باوجود شوق جہاد میں زخمی افراد بھی نکلے اور

آپؐ کے ساتھ جم غفیر ہو گیا۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول کل میں نکلنے سے اس لیے محروم رہا کہ میرے والد نے مجھے منع کیا تھا اور بہنوں کی نگہداشت پر مامور کیا اور کہا لڑکیوں کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں اور میں اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ میں آنحضورؐ کی معیت میں جہاد کرنے کے لیے اپنے آپ پر تجھ کو ترجیح دوں، اب مجھے اجازت دیجیے، چنانچہ آپؐ نے مجھ کو اجازت دے دی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ جو جنگ احد میں شریک تھا اور جو نہیں تھا، سب شریک ہوئے (ص ۳۳۸۔ ۳۳۹) یا بنی انه لا ینبغی لی و لالک ان نترک هؤلاء النسوة لا رجل فیهن و لست بالذی اوثرک بالجهاد مع رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم اخرج معه من کان باحد و من لم یکن۔

ابن ہشام اور طبری وغیرہ نے اس واقعہ کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ صاحب سیرۃ النبی بھی اس واقعہ کو الگ غزوہ کی حیثیت نہیں دیتے، وہ لکھتے ہیں ''مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنالیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے (۲۶)۔ آپؐ مدینہ سے پانچ روز باہر رہے اور عبداللہ ابن مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ (ص ۳۳۹)

**بعض دوسرے غزوات:** غزوہ بنی نضیر ربیع الاول اور ایک روایت کے مطابق جمادی الاول ۴ھ میں ہوا، اس کا سبب معاہدہ کی خلاف ورزی اور درپردہ آپؐ کے قتل کی سازش تھی۔ آپؐ بنی کلاب کے دو آدمیوں کے خوں بہا کے مطالبہ کے لیے بنی نضیر کے پاس گئے، لیکن انہوں نے آپؐ پر پتھر گرا کر ہلاک کرنا چاہا، آپؐ واپس آ گئے اور عہد شکنی کے نتیجہ میں ان پر لشکرکشی کا حکم دیا اور پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا، بالآخر صلح اس پر ہوئی کہ جس قدر مال و اسباب اونٹ پر لے جا سکیں لے جائیں اور شہر سے نکل جائیں (ص ۳۳۹)۔ جب آپؐ بنی نضیر کے پاس گئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر اور اسید بن حضیر تھے اور اپنی غیر موجودگی میں آپؐ نے اپنا جانشین عبداللہ بن مکتوم کو مقرر کیا تھا۔ (ایضاً)۔

**غزوہ بدر الموعد:** ابوسفیان نے جنگ احد میں آپؐ سے قرار کیا تھا کہ اگلے سال کے شروع میں ہماری پھر ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپؐ ذیقعدہ ۴ھ میں ایفائے عہد کی خاطر بدر تشریف لے گئے لیکن ابوسفیان نہیں آیا (۲۷)۔ نعیم بن مسعود اشجعی نے مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے مشرکین کی تعداد اور تیاری کی خبر دی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے، چنانچہ مسلمان بدر الصفراء میں

آٹھ روز مقیم رہے اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا (ص ۳۴۱)۔ بلاذری کے مطابق یہ سفر اس لحاظ سے کامیاب رہا کہ مسلمانوں نے تجارتی لحاظ سے خوب نفع کمایا۔ **فتجر المسلمون فربحوا** (ایضاً) ابن سعد کے مطابق مسلمانوں کی تعداد پندرہ سو اور گھوڑے صرف دس تھے۔(۲۸)

**غزوہ ذات الرقاع:** یہ محرم ۵ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپؐ کو خبر ملی کہ انمار اور ثعلبہ کے قبائل آپؐ پر حملہ کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب آپؐ ان سے قریب ہوئے اور انہوں نے آپؐ کے لشکر کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ آپؐ واپس آ گئے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ کا جانشین مقرر کیا تھا، اسی غزوہ میں آپؐ نے صلوٰۃ خوف ادا کی (ایضاً)۔ اس کے بعد عبداللہؓ بن عمر سے مروی دو روایتیں سنداً نقل ہیں، جن سے صلاۃ خوف کی کیفیت معلوم ہوتی ہے (ایضاً)۔ ابن سعد نے مسلمانوں کی تعداد کے متعلق لکھا ہے کہ ۴ یا ۷ سو تھے۔(۲۹)

**غزوۂ دومۃ الجندل:** ربیع الاول ۵ھ میں ہوا۔ آنحضورؐ کو معلوم ہوا کہ قضاعہ اور غسان کے لوگوں نے حجاز پر حملہ کا ارادہ کیا ہے۔ آپؐ نے ایک ہزار مسلمانوں کو لیا، اس مقام پر پہنچے تو وہ منتشر ہو گئے اور بھاگ گئے آپؐ نے اونٹ اور بکریوں کو پکڑ لیا اور واپس لوٹ آئے۔ اس بار مدینہ میں اپنا جانشین سباع بن عرفطہ کو مقرر کیا تھا۔ (ص ۳۴۱)

**غزوۂ مریسیع:** مریسیع خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق کا کنواں تھا۔ یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ خزاعہ کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور اپنے زیر اثر لوگوں کو آنحضورؐ سے جنگ کی دعوت دی۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو مسلمانوں کو لے کر چلے، مریسیع پہنچے تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو ان کے سامنے دعوت توحید پیش کرنے کا حکم دیا، انہوں نے قبول نہیں کیا تو آپؐ نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ بہت سے قتل اور بہت سے قید کیے گئے، مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ حارث ابن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی قید ہوئیں، آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا نام برّہ تھا۔ آپؐ نے جویریہ رکھا، کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے ان کی قوم کے سو آدمیوں کو شادی کے بدلے آزاد کیا (ص ۳۴۲)۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ اسی شادی کے سبب تمام اہل فوج نے اسیران جنگ کو دفعتہً رہا کر دیا اور کہا کہ رسول اللہؐ نے جس خانوادہ میں شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا (کتاب العتق باب فی بیع المکاتب الخ، ج ۲، ص ۱۹۲)۔ اس کے بعد تقسیم غنائم اسی غزوہ میں واقعۂ افک پیش آنے، حضرت عائشہؓ کی برائت، حملہ سے قبل دعوت دینے

کے متعلق ابی عون کا استفسار اور ان کا جواب کہ آپؐ نے ان پر غفلت میں حملہ کیا اور وہ اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے، الزام لگانے والے عبداللہ ابن ابی اور الزام سے متاثر ہونے والوں میں حضرت حسن بن ثابتؓ، حمنہؓ بنت جحش، مسطحؓ بن اثاثہ ورنزول برأت کے بعد ان حضرات پر حد جاری کرنے سے متعلق روایات نقل کی ہیں۔(ص ۳۴۲۔۳۴۳)

اس غزوہ سے متعلق محدثین اور سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ بخاری (۳۰) اور مسلم (۳۱) میں ہے کہ آپؐ نے بنوالمصطلق پر بے خبری اور غفلت کے عالم میں حملہ کیا تھا، جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد اور خود بلاذری نے جو بیانات نقل کیے ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے حارث بن ضرار کی آپؐ کے خلاف جنگ کی تیاری کی خبر سنی، تصدیق کے لیے باقاعدہ حضرت زیدؓ بن خطیب کو بھیجا، اس کے بعد مریسیع پہنچ کر حضرت عمرؓ کے توسط سے ان کے سامنے دعوت پیش کی، نہ ماننے پر آپؐ نے حملہ کیا۔

یہ ایک معمولی غزوہ تھا لیکن اس میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے سبب اس کو اہم غزوات میں شمار کیا گیا۔ اس جنگ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ مال غنیمت کی لالچ میں بہت سے منافقین بھی اس میں شریک ہوگئے اور متعدد ناخوشگوار واقعات جن کو ہوا ملی، ان کے پیچھے ان ہی کا رول تھا۔ مثال کے طور پر واقعہ افک وغیرہ، جس کی طرف بلاذری نے اشارہ کیا ہے تاہم چشمہ سے پانی لینے پر جو تکرار ایک مہاجر اور انصاری کے مابین ہوئی اور جس میں دونوں فریق کی جانب سے تلواریں کھنچ گئیں اور آنحضرتؐ نے اس کو خوبصورتی سے سلجھایا۔ بلاذری کے یہاں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔

**غزوۂ خندق/احزاب:** مصادر سیرت میں اس غزوہ کی بڑی تفصیلات وارد ہیں۔ بلاذری نے اس کے متعلق مجاہد، زہری، ابی نجیح، ابن قتادہ اور ہشام بن عروہ کے والد سے مروی کل چھ روایتیں سنداً اور ایک روایت لفظ "قالوا" سے نقل کی ہے۔ اس کے مطابق ذیقعدہ ۵ھ میں یہ غزوہ ہوا۔ اس کا سبب بنی نضیر کا اہل خیبر، کفار مکہ اور بعض دوسرے قبائل سے مل کر آنحضورؐ پر حملہ کرنا تھا۔ کنانہ بن ابی الحقیق اور حی بن اخطب وغیرہ مکہ گئے اور انہوں نے ابوسفیان اور اہل قریش کو آنحضورؐ کے خلاف جنگ پر اکسایا اور ان کو پوری مدد کا یقین دلایا، غطفان کے پاس گئے، انہوں نے بھی ہاں میں جواب دیا، عیینہ بن حصن الفزاری نے بھی حمایت کا وعدہ کیا، پھر بنی سلیم کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی مدد

مانگی اورانہوں نے بھی مدد کا وعدہ کرلیا۔مختصر یہ کہ تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہوکر آپؐ پر حملہ کے لیے چل پڑا۔آپؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہ کرام کو بلایا۔مسلمانوں کے لشکر کو ایک جگہ طلب کیا۔ حضرت سلمانؓ کے مشورہ سے خندق کھودی گئی (ص ۳۴۳)۔عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ کو کم سنی کے باوجود اجازت ملی، بنوقریظہ بھی معاہدہ کے خلاف، حی بن اخطب اوراس کے اصحاب کی مسلسل کوششوں سے بنونضیر کے ساتھ ہو گئے۔ان حملہ آوروں کی کثرت تعداد سے مسلمانوں میں خوف وہراس مزید بڑھ گیا(۳۴۴)۔**واشتد خوف المسلمین ممن جاش علیھم من الاحزاب لکثرتھم۔**

**ابوسفیان کا آنحضورؐ کے نام خط اوراس کا جواب:** ابوسفیان نے آنحضورؐ کے نام خط میں لکھا:

"اے اللہ تیرے نام سے۔ میں لات،عزیٰ،ساف، نائلہ اور ہبل کی قسم کھاتا ہوں میں تمہیں تباہ وبرباد کرنے کے لیے آیا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ تم نے خندق سے اپنی حفاظت کرلی ہے اور ہم سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے حالانکہ آج کا دن تمہارے لیے احد کے دن کی طرح ہونے والا ہے۔**ولک منی یوم کیوم احد**۔یہ خط اس نے ابی اسامہ جشمی کے ہاتھ بھیجا تھا۔

ابی بن کعب نے خط پڑھ کر آپؐ کو سنایا تو آپؐ نے جواباً لکھا:

"تمہارا خط ہمیں ملا۔اے بنی غالب کے بے وقوف، تم کو اللہ غرور کی طرف سے ہمیشہ دھوکہ ہوا ہے، تمہارے اورتمہاری چاہت کے درمیان اللہ حائل ہوگا اورانجام ہمارے حق میں کرے گا۔اے سفیہ بنی غالب تمہارے سامنے ایک دن ایسا ضرور آئے گا جس دن میں خود اپنے ہاتھوں سے لات،عزیٰ،ساف، نائلہ اور ہبل کو توڑوں گا۔**ولیاتین علیک یوم اکسر فیہ اللات والعزیٰ و ساف ونائلہ وھبل یاسفیہ بنی غالب**۔(ص ۳۴۴)

**بعض دوسرے واقعات:** اگلی روایت میں مشرکین کا محاصرہ، مسلمانوں پر تیر اور پتھر کی بارش، ایک دن ایک ساتھ مل کر حملہ کرنے کی تجویز پر ان کا اتفاق، کفار کے ایک لشکر کی خندق عبور کرنے کی کوشش، اس میں نوّے سالہ عمرو بن ودّ کا ہونا، حضرت علیؓ سے مبارزت، ان کے سر پر زخم، حضرت علیؓ کا ان کو قتل کرنا، عمرو کے ساتھیوں کا فرار ہوجانا، ایک شخص کا خندق میں گرنا اور مسلمانوں کا اس پر حملہ کرنا، پھر تیز وتند ہوا کے ذریعہ اللہ کی مدد، مشرکین کی شکست اوران کی پسپائی، نعیم بن مسعود اشجعی کا

قبول اسلام اور حملہ آوروں میں پھوٹ اور غطفان وسلیم کا یہ کہنا کہ بخدا محمد ہمارے نزدیک یہود سے بہتر اور زیادہ عزیز ہیں، پھر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم ان کو اور اپنے آپ کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ **و اللہ لمحمد احب الینا و اولی بنا من یهود فما بالنا نو اذیہ و انفسنا** (۳۴۵)۔ اور ان کا واپس ہو جانا، خندق میں پندرہ دن تک مسلمانوں کا محاصرہ اور ابن مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کرنا (۳۴۵)۔ اگلی روایت میں ہے کہ محاصرہ کو دس روز ہو چکے تھے، تمام مسلمان سخت کرب میں تھے کہ اللہ کے رسولؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میں تیرے عہد و پیمان کا طلب گار ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے۔ (۳۴۶)

**ختم محاصرہ کے لیے آپؐ کی تجویز اور انصاری صحابہ کا ردعمل:** آپؐ نے عیینہ بن حصن رئیس غطفان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ احزاب کو جنگ بندی پر آمادہ کر دے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا جائے تو مدینہ کے باغات کا ایک ثلث دے دیا جائے گا۔ اس نے جواباً کہلوایا کہ میرا حصہ مقرر کر دیں تو میں یہ کام کر دوں گا، **بل اعطنی ثمرها حتی افعل ذلک** (۳۴۶)۔ اس کے بعد یہ تجویز آپؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کے سامنے پیش کی اور کہا کہ عیینہ نے جنگ بندی کرانے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس جانے کے لیے اس شرط پر آمادگی ظاہر کی ہے کہ وہ تمہاری پیداوار کا نصف چاہتا ہے۔ تم دونوں کا کیا خیال ہے، دونوں نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو آپؐ کر گزریں۔ آپؐ نے فرمایا اگر خدا کا حکم ہوتا تو میں تم سے رائے نہ لیتا، یہ میری تجویز ہے جو میں نے تم دونوں کے سامنے رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو پھر ہم تلوار کے سوا انہیں کچھ نہ دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا بہتر ہے (ایضاً)۔ **فقال صلی اللہ علیہ وسلم لو امرت لم استامر کما و لکن ھذا رای اعرضہ علیکما، قالا: فانا لا نری ان نعطیهم الا السیف، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فنعم۔**

**حضرت صفیہؓ کا یہودی پر حملہ:** آخری روایت ہشام بن عروہ کے والد سے مروی نقل کی ہے کہ آپؐ نے جنگ احزاب میں مستورات کو مدینہ کے ایک قلعہ میں حضرت حسانؓ کے ساتھ کر کے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ایک یہودی قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا، عورتوں میں سے کسی نے حسانؓ سے کہا، اتر کر اس کو قتل کر دو۔ انہوں نے معذرت کی، تو اس نے چادر اوڑھی، ایک پتھر لیا، اتر کر اس کے پاس گئیں

اوراس کے سر پر کاری ضرب لگائی (۳۴۷)۔ فاتزرت بکساء و اخذت فهرا و نزلت الیه ففلقت راسه۔

یہ مشہور واقعہ مصادر سیرت ابن ہشام، زرقانی بحوالہ طبرانی، بزار وابویعلیٰ وغیرہ میں مفصلاً ملتا ہے(۳۲)۔ جس میں حضرت صفیہؓ کا خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر یہودی کا سر پھاڑنے کا ذکر ہے لیکن بلاذری کی اس مختصر روایت میں یہاں مارنے والی عورت کا نام نہیں ہے اور لکڑی کے بجائے نکیلے پتھر سے وار کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن اسی کتاب کے (ص ۳۲۴) پر بلاذری نے حضرت صفیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے تلوار سے اس کی گردن ماری۔ فقلت: شد السیف علی یدی ففعل فضربت عنقه۔

یہاں اس کا ذکر ضروری ہے کہ بلاذری نے اس غزوہ کی تفصیل میں بعض اہم اور بنیادی باتوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے مثلاً حملہ آوروں کی تعداد کتنی تھی، صحابہ کرام کتنے تھے، خندق کتنی عریض اور کتنی گہری کھودی گئی، کھودنے میں کتنے دن لگے، مشہور ہے کہ آپؐ نے بہ نفس نفیس مزدور کی طرح کام کیا، فاقے ہوئے، بخاری میں ہے کہ کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہ آئی، آپؐ نے پھاوڑا مارا اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی، آپؐ نے فاقہ کے سبب اپنے پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بلاذری کے یہاں یہ تفصیلات نہیں ملتیں۔

غزوۂ بنوقریظہ: بنوقریظہ نے معاہدہ کے خلاف علانیہ احزاب میں شرکت کی تھی۔ آپؐ احزاب سے فارغ ہوئے تو ان کے خلاف آپؐ کو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی تھا۔ چنانچہ آپؐ نے مشیت ایزدی کے مطابق ان پر لشکرکشی کا ارادہ کیا۔ بلاذری کے مطابق یہ واقعہ ذیقعدہ وذی الحجہ ۵ھ کا ہے۔ اس غزوہ کے متعلق بلاذری نے حضرت عائشہؓ، ابن شہاب اور مجاہد سے مروی تین روایتیں بالاختصار نقل کی ہیں۔ روایات نقل کرنے سے پہلے اپنے بیان میں لکھتے ہیں کہ آپؐ خندق سے لوٹے اور بنی قریظہ پر لشکرکشی کی۔ ان کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ معاملہ آپؐ کے فیصلہ پر طے ہوا۔ سعدؓ بن معاذ کو حکم دیا گیا، حضرت سعد نے شریعت موسوی کے مطابق ان کے مردوں کو قتل، بچوں اور عورتوں کو قید اور مال و اسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس دوران مدینہ میں اپنا جانشین عبداللہ بن مکتوم کو مقرر کیا۔ (ص ۳۴۷)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ احزاب سے فارغ ہوئے۔ غسل کے لیے جارہے تھے

کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے، فرمایا: آپؐ نے ہتھیار رکھ دیے۔ ہم نے نہیں رکھا، بنی قریظہ کی جانب کوچ کریے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دروازے کے شگاف سے دیکھا کہ آپؐ کا سر مٹی سے اٹا ہوا تھا (۳۴۷۔۳۴۸)۔ **لقد رایته من خلل الباب و قد عصب التراب راسه۔**

اس غزوہ میں بھی بلاذری نے بعض بنیادی باتیں مثلاً واقعہ ریحانہ، مقتولین کی تعداد، مدت محاصرہ وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔ اس غزوہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ بنوقریظہ کی ایک عورت (جس نے خلاد بن سوید خزرجی کو قلعہ سے پتھر گرا کر شہید کر دیا تھا) کو قصاص میں قتل کیا گیا تھا۔ بلاذری نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ انہوں نے مجاہد سے مروی جو آخری روایت لکھی ہے اس کے مطابق بنوقریظہ نے خلاد پر پتھر گرادیا تھا، جو ان سے بات کرنے گئے تھے۔ **و القی بنو قریظه علی خلاد بن سوید خزرجی رحی و قد دنا لیکلمهم** ۔(ص ۳۴۸) اس میں واضح نہیں ہے کہ پتھر گرانے والا کون تھا، جبکہ ابن ہشام (۳۳) اور ابوداؤد (۳۴) وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

ذکر غزوۂ بنی لحیان وذی قرد: اس کے بعد غزوہ بنی لحیان اور غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ کا مختصراً ذکر ہے۔ یہ غزوات ربیع الاول ہی میں پیش آئے اور دونوں ہی غزوات میں آپؐ نے مدینہ پر اپنا جانشین عبداللہ بن مکتوم کو بنایا۔ بنی لحیان پر حملہ کا سبب نہیں لکھا ہے۔ البتہ ذی قرد پر حملہ کی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ عیینہ بن حصن دھوکہ سے حملہ کرکے اس جنگل سے آپؐ کی اونٹنیوں کو بھگا لے گیا تھا، جو مدینہ سے صرف ۱۲ رمیل کے فاصلہ پر تھا۔ آپؐ نے مقداد بن عمرو اور ایک قول کے مطابق سعد بن زید اشہلی کو چند مسلمانوں کے ساتھ تعاقب میں بھیجا، انہوں نے دس اونٹنیوں کو چھڑا لیا۔ یہ چوبیس تھیں۔ سعدہ بن حکمہ اور حبیب بن عیینہ مارے گئے۔ پھر آپؐ نکلے اور ان لوگوں سے ذی قرد میں ملاقات ہوئی اور وہ لوگ وہاں سے جاچکے تھے۔ آپؐ نے پیچھا کرنے سے منع فرمایا۔ آپؐ وہاں ایک رات اور ایک دن مقیم رہے۔ صلوۃ خوف ادا کی۔ اسی غزوہ میں ''یا خیل اللہ ارکبی'' کے الفاظ کے ذریعے ندادی گئی، **فیها نودی! یا خیل الله ارکبی و لم یقل ذلک قبلها۔** (ص ۳۴۹)

صاحب سیرۃ النبی نے اس غزوہ کا سن وقوع محرم ۷ھ لکھا ہے (۳۵)۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کی تفصیل زیادہ تر ابن سعد اور ابن ہشام سے لی گئی ہے۔ حالانکہ ابن سعد میں اس کے ماہ و سن وقوع کے متعلق ''**فی شهر ربیع الاول سنة ست من مهاجره**'' (۳۶) کے الفاظ وارد ہیں۔

اس غزوہ کے سب سے اہم ہیرو سلمہ بن الاکوع تھے، جنھوں نے حملہ آوروں کا تنہا تعاقب کیا اور ان پر جھاڑیوں میں چھپ چھپ کر وار اور دشمنوں کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ بلاذری نے ان کا نام نہیں لیا ہے۔ (باقی)

---

## حواشی

(۱) ابن سعد، ج ثانی، قسم اول، ص ۱۱۔ (۲) ایضاً۔ (۳) سیرۃ النبی اول، ص ۲۳۵۔ (۴) بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۲۳۵۔ (۵) سیرۃ النبی، ص ۲۶۲۔ (۶) ج ثانی، قسم اول، ص ۲۶۔ (۷) زرقانی، ج ۲، ص ۲۹ پر بھی بات لکھی ہے۔ (۸) ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۹۔ (۹) ایضاً۔ (۱۰) سیرۃ النبی اول، ص ۲۶۴۔ (۱۱) ایضاً، ص ۲۶۷۔ (۱۲) ابن سعد حولہ مذکور، ص ۲۹۔ (۱۳) ایضاً۔ (۱۴) مخیریق کے متعلق بلاذری نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر لکھا ہے کہ یہ عظمائے یہود میں تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا، جنگ احد میں آپؐ کے ساتھ شریک ہوئے اور اپنا سارا مال آپؐ کو دے دیا، آپؐ نے اس کو وقف کر دیا۔ (۱۵) یہ پوری روایت الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ سیرت ابن اسحاق میں موجود ہے، تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، گلوریس پرنٹنگ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۹ء، ص ۵۳۔ ۴۵۲۔ (۱۶) بحوالہ سیرۃ النبی اول، ص ۲۷۲۔ (۱۷) ابن سعد حوالہ مذکورہ، ص ۳۰۔ (۱۸) ج ۲ ص ۵۸۱۔ (۱۹) ایضاً، دیکھیے حاشیہ۔ (۲۰) جلد ۲، ص ۸۱۔ (۲۱) ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۳۰۔ (۲۲) یہ وہی قزمان ہیں جن کو خالد بن ولید نے زخمی کیا، شدت تکلیف سے اپنی رگیں تیر سے کاٹ ڈالیں، بدن سے خون نکل گیا اور وفات ہوگئی (ص ۳۳۵)۔ (۲۳) یہ وہی شخص ہے جو بدر میں قید ہو کر آیا، آپؐ سے رحم کی درخواست کی تو آپؐ نے اس معاہدہ پر اس کو آزاد کیا کہ وہ آپؐ کے خلاف خروج نہ کرے گا، لیکن احد میں قید ہوا تو پھر آپؐ سے احسان کی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، تو چاہتا ہے کہ مکہ واپس جائے اور کہے کہ میں نے محمد کو دوسری بار بھی دھوکہ دے دیا، چنانچہ آپؐ کے حکم پر عاصم نے اس کا کام تمام کر دیا (ص ۳۳۵)۔ (۲۴) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۰۸۔ (۲۵) دیکھیے ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۳۴۔ (۲۶) سیرۃ النبی اول، ص ۲۷۳۔ (۲۷) لیکن ابن سعد نے لکھا ہے کہ ابوسفیان دو ہزار قریشیوں کے ہمراہ نکلا، مجنۃ پہنچا تھا کہ خشک سالی کا بہانہ کر کے واپس ہوگیا (دیکھیے حوالہ مذکور، ص ۴۳) حتی انتھوا الی مجنۃ وھی مر الظھران ثم قال ارجعوا .... وان عامکم ھذا عام جدب۔ (۲۸) ایضاً، ص ۴۲۔ ۴۳۔ (۲۹) ایضاً، ص ۴۳۔ (۳۰) باب فی العتق باب من ملک من العرب، ج ۱، ص ۳۴۵۔ (۳۱) کتاب الجھاد والسیر باب جواز الاغارۃ علی الکفار، ج ۲، ص ۶۱۔ (۳۲) زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار ابویعلی بہ سند (حسن)، ج ۲، ص ۱۲۹ و ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۴۔ (۳۳) ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۷۲۔ (۳۴) سنن ابوداؤد کتاب الجھاد فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶۔ (۳۵) ج ۱، ص ۳۴۱۔ (۳۶) ابن سعد حوالہ مذکور، ص ۵۸۔

# جرمن تحریروں میں سیرۃ النبیؐ کا سرمایہ
# ایک تعارفی مطالعہ

جناب ابوسعد اعظمی

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی اس لحاظ سے کافی اہمیت کی حامل رہی ہیں کہ اس دور میں جرمن محققین نے اسلامی موضوعات اور بالخصوص سیرت نبویؐ کو دلچسپی کا موضوع بنایا۔ سیرت ابن ہشام کا جرمن زبان میں ترجمہ ہوا۔ رسول اللہؐ کی زندگی، مدینہ میں اسلامی جماعت کی تشکیل، غزوات النبیؐ وغیرہ جیسے موضوعات پر ان کی تحریریں سامنے آئیں اور سیرۃ النبیؐ کے موضوعات پر موجود اسلامی سرمایہ کا ان میں چلن عام ہوا۔ انسائیکلوپیڈیا اور نصابی کتابوں میں اس موضوع پر انہوں نے تحریریں فراہم کیں۔ قطع نظر اس سے کہ اس ضمن میں ان کا اسلوب معروضی تھا یا نہیں، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اسلام، تاریخ اسلام اور مشاہیر اسلام کے ضمن میں دیگر مغربی مستشرقین کی طرح جرمن مستشرقین سے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر زبردست غلطیاں ہوئی ہیں اور اسلامی موضوعات پر اپنی تحقیقات میں وہ انصاف نہیں کر پائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تحقیق وتدوین کے میدان میں ان کی کاوشوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی گرفت ممکن بھی ہے اور ضروری بھی مگر اس اعتراف کے ساتھ کہ ان کی تحقیقات سے اسلامی علمی سرمایہ میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر جرمن مستشرقین کی بحث وتحقیق اور ان کے نقطۂ نظر کو منظر عام پر لانے کے مقصد سے فاس (مراکش) میں سیدی محمد بن عبداللہ یونیورسٹی کے شعبہ آداب وعلوم انسانی نے ایسیسکو کے تعاون سے ۲۳۔۲۴۔۲۵/اپریل ۲۰۰۷ء میں ایک سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا۔

---

ریسرچ اسکالر، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ anislahi@gmail.com

اس میں اس موضوع سے متعلق گراں قدر مقالات پیش کیے گئے۔ان میں جرمن مستشرقین کے یہاں سیرۃ النبیؐ سے متعلق موضوعات پر بحث وتحقیق کی تاریخ، مطالعہ سیرت کے باب میں جرمن مستشرقین کا منہج، جرمن ادب میں سیرۃ النبیؐ، کتب سیرت کے جرمن تراجم، دائرۃ المعارف میں سیرۃ النبیؐ پر مقالات، جرمن زبان میں سیرۃ النبیؐ سے متعلق سرمایہ، جرمن مستشرقین کی سیرتی کاوشوں سے متعلق عربی زبان میں موجود تحریری مواد، سیرۃ النبیؐ کے سرمایہ کی تحقیق میں جرمن اصحاب علم کی کاوشیں جیسے متنوع موضوعات کو موضوع بحث بنایا گیا۔اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسیسکو نے ان مقالات کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور ۲۰۱۱ء میں یہ مجموعۂ مقالات ''السیرۃ النبویۃ فی الکتابات الالمانیۃ'' کے عنوان سے منظر عام پر آ گیا۔

یہ کتاب ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں پیش لفظ، سیمینار کے مختلف اجلاسوں کی مکمل رپورٹ، افتتاحی اجلاس اور تجاویز، عربی، انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں سیمینار کا جاری کردہ دعوت نامہ، افتتاحی اجلاس کی تفصیلات کے علاوہ چار مرکزی عناوین کے تحت کل پندرہ مقالات شامل ہیں۔ان عناوین کو یوں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔مطالعہ سیرت کے باب میں مستشرقین کا منہج، ۲۔سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر جرمن مستشرقین کی تحقیقی وتصنیفی کاوشیں، ۳۔سیرتی تصانیف سے متعلق جرمن مستشرقین کے جدید رجحانات، ۴۔جرمن ادب اور جرمن میڈیا میں سیرۃ النبیؐ۔یہ مقالات سیرۃ النبیؐ کے تعلق سے جرمن مستشرقین کی خدمات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ذیل میں اس کتاب کا ایک تعارفی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا مقالہ ڈاکٹر خالد زہری کا ہے۔اس کا عنوان ہے ''جرمن مستشرقین کا منہج مطالعۂ سیرت۔ تصوف کے آئینہ میں'' بیس صفحات پر مشتمل اس مقالہ میں تصوف کے آئینہ میں سیرت کے امتیازی پہلو کو واضح کیا گیا ہے اور اسے شریعت، طریقت اور حقیقت کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔مقالہ کا خیال ہے کہ سیرت کا روحانی پہلو ہی اسے تاریخ کی سطح سے بلند کرتا ہے اور مسلمانوں کے ایمانی محرکات کو مسلسل مہمیز کرنے کا کام کرتا ہے۔روح نبوت جسے اہل تصوف ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اور شیخ اکبر کے نزدیک اہل نظر کے یہاں اسے اختصاص کہا گیا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔سیرۃ النبیؐ کے اس

متصوفانہ عرفانی نقطۂ نظر کی وجہ سے انسان کامل کا نظریہ سامنے آیا اور عبدالکریم الجیلی نے اپنی کتاب ''الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل'' میں اس کے مختلف عناصر کو جمع کردیا۔ یہ کتاب بہت سے مستشرقین کی تحقیق کا موضوع بنی۔ بالخصوص جرمن مستشرق ہلموت ریتر (Hellmut Ritter- 1892-1971) نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں شامل اپنے ایک مقالہ میں اسے خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے۔ عبدالکریم الجیلی نے اس کتاب میں واضح کیا ہے کہ ذات محمدی ظاہر و باطن سے عبارت ہے اور اس کے صحیح فہم کے لیے ان میں سے کسی سے بھی استغناء ممکن نہیں، خواہ اس کا تعلق سیرت وشمائل سے ہو یا اوامر ونواہی سے۔

یہی نظریہ بہت سے جرمن مفکرین وفلاسفہ کے افکار کا سرچشمہ ہے انہی میں ایک معاصر نام محمد کالیش (Mohammed Kalisch 1966) ہے جس کے نزدیک انسان کامل کا نظریہ محمدؐ کی ذات سے محبت اور آپؐ کی سیرت کی اقتداء میں جلوہ گر ہے۔ کارٹون کے ذریعہ اللہ کے رسولؐ کی شان میں گستاخی کے موقع پر اس نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر کیا کہ یہ واقعہ ہے کہ پورا عالم اسلام نبی کی ذات میں بہترین اسوہ اور انسان کامل پاتا ہے اور اس کی اقتداء ہر مسلمان پر فرض ہے، لہٰذا مسلمان کے دل میں نبی کریمؐ کے تئیں محبت واکرام کا جو جذبہ ہے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے (ص ۱۱) مقالہ نگار نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ صوفیہ کی تحریروں میں اس طرح کے اشارات موجود ہیں کہ بعض صوفیہ کو رسولؐ سے ملاقات اور گفتگو کا بھی شرف حاصل ہوتا ہے، جسے کوتاہ فہم اور ظاہری الفاظ تک محدود رہنے والے افراد رسولؐ سے حقیقی ملاقات پر محمول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ لقاء سے مراد ان روحانی جہات کا عرفانی جلوہ ہے جو رسولؐ کی سیرت کے ہر چھوٹے بڑے پہلو سے وابستہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے مشہور عارف ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی کی تصنیف ''ختم الاولیاء'' کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک نبی اور ولی دونوں کی سیرت کے درمیان کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے کہ نبی کا اللہ سے تعلق بذریعہ وحی ہوتا ہے، جب کہ ولی کا اللہ سے تعلق بذریعہ الہام ہوا کرتا ہے (ص ۱۳)۔ پھر اس فکر کے پس منظر کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بیرند رانکہ (Bernd Radtke-1944)، ہامر بورجشتال (Josef Von Hammer - Rugtall: 1884-1774)، جوتہ (Goethe: 1832-1740)، برند نومائیل فایشر (Bernd M. Weischer)، ریسکہ (Johann Jakob Reiske:1774-1716)،

فریڈریک شلیجل (Friedrich Schlegel:1829-1772)، ہانس جورج (Hans Georg Gadamer: 2002-1900) اور دیگر جرمن مستشرقین کے نقطۂ نظر سے بحث کی ہے اور مشہور جرمن مستشرق ہلموت ریٹر کے نقطۂ نظر کا اس کی تحقیق شدہ کتاب ''کتاب مشارق انوار القلوب ومفاتح اسرار الغیوب'' کے حوالہ سے تفصیلی جایزہ لیا ہے۔ مقالہ نگار نے اس باب میں یہ صراحت کی ہے کہ یہ نابغۂ روزگار جرمن مستشرق عربی، فارسی، ترکی اور مشرقی زبانوں کے ذریعہ اسلامی سرمایہ کی تہ میں اترنے والا سب سے نمایاں مستشرق ہے۔ البتہ نبیؐ اور ان کے وارثین اولیاء کے درمیان تعلق کی نوعیت کا فہم اسے بھی حاصل نہ ہوسکا اور سیرۃ الاولیاء کی روشنی میں سیرۃ النبیؐ کے دائمی تسلسل کے ادراک سے وہ قاصر رہا (ص ۱۹)۔ اس مقالہ میں تصوف کی اصطلاحات کے بارے میں مستشرقین کی نارسائیوں کا تذکرہ بھی ہے اور بعض ایسے امور پر روشنی ڈالی گئی ہے جو عام قاری کے فہم سے بالاتر ہیں۔

دوسرا مقالہ ''نبوت محمدیؐ کے باب میں جرمن مستشرق نولدیکی کا نقطۂ نظر'' کے عنوان سے ہے جیسا کہ عنوان ہی سے واضح ہے، اس میں نبوت محمدیؐ سے متعلق نولدیکی (Theodor Nodeke: 1931-1830) کے افکار کا جایزہ پیش کیا گیا ہے۔ نولدیکی کے تعارف کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ اپنی تمام تر شہرت وآفاقیت کے باوجود سیرت کے تعلق سے اس نے بڑی فاش غلطیاں کی ہیں۔ اس لیے کہ علوم وفنون کی معرفت الگ ہے اور اس کے ساتھ انصاف کرنا دوسری چیز ہے (ص ۳۲)۔ اس کے فکر میں انحراف، تعصب اور عدم معروضیت صاف نظر آتی ہے۔ نولدیکی کے تنقیدی وتشکیکی رجحان میں مبالغہ آرائی ہے۔ اس کے یہاں صحیح روایات کے انکار اور ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کثرت سے نظر آتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ احادیث نبویہ میں یہودی ونصرانی اثرات ملتے ہیں۔ اس سے قبل جرمن مستشرق ابراہم غایغر (Abraham Geiger: 1874-1810) نے بھی اپنی کتاب ''قرآن نے یہودیت سے کیا لیا'' میں اس طرح کے اعتراضات اٹھائے تھے جو استشراقی تحقیق میں ایک نئی بحث کا آغاز تھی۔ اس کا مقصد قرآن کریم کے ان اجزاء کی تلاش وجستجو تھی جو یہودیت سے ماخوذ ومستفاد نظر آتے ہیں۔ مقالہ نگار نے صراحت کی ہے کہ نولدیکی نے بعض رواج پذیر شکوک و شبہات کی تضعیف کی ہے، لیکن اس نے جو شکوک وشبہات پیدا کیے ہیں ان کی زد اسلامی اساس و مسلمات پر پڑتی ہے۔ مقالہ نگار نے ''اہل کتاب سے استفادہ'' کے جلی عنوان کے تحت نولدیکی کے

نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔نولدیکی کا خیال ہے کہ قرآن کریم یہودی افکار ونظریات سے متاثر ہے اور اس میں یہودی شعائر واصطلاحات شامل ہیں۔اسی طرح قصص انبیاء اور ان کے اسما یہود سے ماخوذ ہیں، جبکہ کلمہ کا صیغہ "لا الہ الا اللہ" بھی یہودیت سے ماخوذ ہے(ص ۳۵)۔ نبی کریمؐ پڑھنا لکھنا جانتے تھے یا نہیں؟ اس ضمن میں صلح حدیبیہ سے متعلق تاریخی دستاویزات کا جایزہ لینے کے بعد نولدیکی قرآنی الفاظ پر توقف کرتے ہوئے یہ نتیجہ پیش کرتا ہے کہ آپؐ امی تھے۔فاضل مقالہ نگار نے پورے مقالہ میں نولدیکی کے افکار کا تنقیدی جایزہ پیش کر کے اس کے اعتراضات کو دور کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔

"مستشرقین کے نزدیک سیرت نگاری میں اسقاطی مادی منہج کے نقوش" کے عنوان سے تیسرے مقالہ میں جرمن مستشرق ولہاوزن (Julius Wellhausen: 1918-1844) کی سیرت سے دلچسپی کا مختصر تعارف اور سیرۃ النبیؐ اور تاریخ اسلام سے اس کی دلچسپی کا ذکر ہے۔مقالہ نگار کا خیال ہے کہ استشراقی تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والے علوم اسلامیہ کے بعض مغربی محققین کی نگاہ میں اسقاط ایک قابل اعتماد منہج ہے۔منہج اسقاط سے کیا مراد ہے اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جدید ماہرین نفسیات کے نزدیک اسقاط کی تعریف یہ ہے کہ مختلف حالات، نقطہ نظر اور واقعات پر اپنے تجربات وجذبات کو مسلط کر کے اور اپنے نقطۂ نظر سے اسے دیکھ کر اس کی تشریح کی جائے۔ نبی کریمؐ کے متعلق ولہاوزن کے جو دس بڑے شبہات تھے، ان کا ذکر کر کے انہیں رفع کرنے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں ان غلط فہمیوں کا جواب چار نکات میں پیش کر دیا گیا ہے۔

چوتھا مقالہ "معراج اور علم کلام کا آغاز۔یوسف فان ایس کا نقطۂ نظر" کے عنوان سے ہے جو ڈاکٹر احمد بوعود کا تحریر کردہ ہے۔اس کی ابتدا میں فان ایس (Josef Van Ess :1934) کا مختصر تعارف اور اس کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ ہے۔پھر معراج ورویت باری تعالی اور معراج وعلم الکلام کے آغاز پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔فان ایس کے مطابق معراج سے متعلق جو احادیث وآثار ہمیں ملتے ہیں ان کا تعلق بعد کے دور سے ہے۔ان روایات کا سرچشمہ عراق ہے جس میں جزیرہ عرب کی بہ نسبت اس موضوع کا زیادہ عموم ہوا اور عراق کے بعد ایران میں اس کی اشاعت ہوئی۔فان ایس نے اشارہ کیا ہے کہ جو متون اس تعلق سے معروف ہیں، ان کا سلسلہ بلخ سے ہے۔تحلیل وتجزیہ کے بعد فان ایس نے اپنا نقطۂ نظر یہ پیش کیا ہے کہ کسی کا یہ اعتقاد نہیں کہ رسولؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا، بلکہ آپؐ نے

پس حجاب آواز سنی تھی۔ اسی طرح کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ واقعۂ معراج صرف خواب تھا جو آپؐ کو دکھایا گیا، بلکہ اس کی حیثیت حقیقی واقعہ کی ہے اور یہ معجزہ ہے۔ آخر میں فاضل مقالہ نگار نے اپنے ملاحظات چھ نکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔

''سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر جرمن مستشرقین کی بحث و تحقیق'' کے مرکزی عنوان کے تحت پانچ مقالات ہیں۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر عبدالعزیز شاکر حمدان الکبیسی کا ہے جس کا عنوان ہے ''سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر جرمن مستشرقین کی تصنیفی کاوشیں۔ تحلیل و تجزیہ''۔ موضوع کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ درحقیقت سیرت نبوی پر جرمن مستشرقین کی خدمات کو منظر عام پر لانے کی ایک کوشش ہے۔ اس میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی ہے اور ان کے امتیازی اوصاف کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے نقائص اور شعوری طور پر سرزد غلطیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے (ص ۶۹)۔ مقالہ نگار نے الگ الگ دو فصلیں قائم کی ہیں، پہلی فصل میں ان مصنّفین کا تذکرہ ہے جنھوں نے سیرت کے موضوع پر کوئی کتاب تصنیف کی ہے۔ ان کے اسماء، مختصر حالات زندگی، تصنیفی خدمات اور سیرت کے موضوع پر ان کی تصانیف کا اجمالاً تذکرہ ہے اور دوسری فصل میں انصاف پسند اور متعصب جرمن مستشرقین پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے منہج کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابتداء میں مقالہ نگار نے یہ صراحت کر دی ہے کہ ان کے پیش نظر سیرتی مباحث میں جرمن مستشرقین کی تصانیف کا احاطہ نہیں ہے، بلکہ جہاں تک ان کی رسائی ہو سکی ہے ان کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں مقالہ میں مذکور جرمن مستشرقین اور ان کی تصانیف کا مختصر جایزہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ انا ماری شیمل (Annemarie Schimmel: 2003-1922): مولف ''محمد نبی اللہ أو الرسول فی الاسلام''۔

۲۔ أوتو برتسل (Otto Pretzl: 1941-1893): مولف ''محمد ﷺ بوصفه شخصیة تاریخیة''۔

۳۔ أوجست فشر (August Fisher: 1949-1865): مولف ''محمد واحمد ﷺ اسمان للنبی العربی''۔

۴۔ رودلف اشتروطمن (Rudolf Strothmann: 1940-1877): مولف ”بدرو احدوکربلا“۔ مقالہ نگار نے صراحت کی ہے کہ مجھے اس بحث کی نوعیت کا اندازہ نہیں ہے کہ اس کا تعلق نبی کریمؐ کے دونوں غزوات سے ہے یا اس کی گفتگو کا مرکز کربلا اور امام حسینؓ کی شہادت ہے۔

۵۔ ریسکہ (Johann Jakob Reiske: 1774:1716): مقالہ نگار نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کے پیش رو مستشرقین نے اسلام اور نبی اسلام کی جو مسخ شدہ تصویر پیش کی تھی اس کی تصحیح کا سہرا اسی کے سر ہے۔ اپنی تصانیف میں اس نے دین اسلام کی تحسین کی ہے اور نبی کریمؐ سے متعلق الزامات کی تردید بھی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ نبی کریمؐ کی بعثت اور دین اسلام کا غلبہ تاریخ عالم کا ایسا نادر واقعہ ہے جس تک عقل انسانی کی رسائی ممکن نہیں۔ اس نے پوری جرأت سے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ اسی وجہ سے ارباب کلیسا اس کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اسے زندیق قرار دیا (ص ۷۵)۔ البتہ سیرت کے موضوع پر اس کی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

۶۔ اسپرنگر (Aloys Sprenger: 1892:1813): اس کی کتاب ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور تعلیمات“ کے عنوان سے ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

۷۔ فایل گوستاف (Gustav Weil: 1889:1808): فایل گوستاف نے بہت سی کتابوں کا جرمن میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں ابن ہشام کی ”السیرۃ النبویۃ“ بھی شامل ہے۔ سیرت کے موضوع پر تصنیف کرنے والے چند مشہور جرمن مستشرقین میں گوستاف کا نام بھی شامل ہے۔ اس کی چند نمایاں تحریریں اس طرح ہیں:

(الف) آغاز نبوت سے متعلق ایک واقعہ کے بارے میں رینو کو خط۔ مجلہ آسیویہ مئی ۱۸۴۳ کے شمارے میں یہ شائع ہوا ہے۔ (ب) النبی محمدؐ۔ حیاتہ ومذہبہ: ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ، علی بن برہان الدین الحلبی کی ”انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون“ جو سیرت حلبیہ کے نام سے معروف ہے اور حسین دیار بکری کی ”السیرۃ النبویۃ“ پر اس کا انحصار رہا ہے۔ فایل کی اس کتاب کا شمار سیرت اور پیغام سیرت پر تحریر کرنے والے جدید مستشرقین کی ابتدائی کتب میں ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بدوی کی تصریح کے مطابق اس کتاب میں زبردست علمی خیانت کی گئی ہے اور تاریخی حقائق سے اغماض برتا گیا ہے۔ گوستاف فایل کا خیال ہے کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کو مرگی کی بیماری تھی۔

۸۔کارل بروکلمان (Carl Brockelman: 1956-1868): کارل بروکلمان کا شمار نمایاں ترین جدید مستشرقین میں ہوتا ہے۔اس کی تالیف کردہ کتاب ''تاریخ الادب العربی'' کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔اس کو مختلف عربی علوم وفنون کے مخزن کی حیثیت حاصل ہے۔اس میں مخطوطات، اس کی نوعیت اور اس کے محل وقوع وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔اسی طرح ''تاریخ الشعوب الاسلامیۃ'' کے نام سے بھی اس کی اہم کتاب ہے، جسے منیر البعلبکی اور منبہ امین فارس نے عربی کا قالب عطا کیا ہے۔ یہ کتاب ۹۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ماقبل اسلام سے لے کر چودہویں صدی ہجری کے نصف تک عربوں کی تاریخ کا جایزہ لیا گیا ہے اور اس پورے عرصہ میں مسلمانوں کے سیاسی وثقافتی احوال کا احاطہ کیا گیا ہے، البتہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں اور معروضیت کا لحاظ نہیں رکھ سکا ہے۔کہیں کہیں اس نے شعوری طور پر بھی علمی خیانت سے کام لیا ہے اور حتی الامکان حقائق کو مسخ کر کے اسے بالکل غلط انداز میں پیش کیا ہے۔

بروکلمان نے اپنی کتاب میں پچاس صفحات میں سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر بھی گفتگو کی ہے۔ سیرت سے متعلق اس کی معلومات فاش غلطیوں اور افترا پردازیوں کا مجموعہ ہیں (ص ۷۸)۔مقالہ نگار نے سیرت سے متعلق اس کے چھ اہم نقائص کا جایزہ لیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اس طرح کی بہت سے خامیوں کے ذریعہ اس نے رسول اسلام کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

۹۔نولدیکی تیودور (Theodor Noldeke: 1930-1836): نولدیکی کو متفقہ طور پر جرمن مستشرقین میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے۔اس نے جرمن زبان میں ''حیاۃ النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

۱۰۔ہارویز (Josef Harovitz: 1931-1874): ہارویز نے واقدی کی ''مغازی'' پر اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ تیار کیا ہے۔اسی طرح ابن سعد کی ''الطبقات الکبری'' میں غزوات نبی سے متعلق دونوں جلدوں کی تحقیق کی ہے۔عبدالرحمٰن بدوی نے صراحت کی ہے کہ فرانکوفور سے یونیورسٹی میں ۱۹۱۴۔۱۹۲۱ء تک اپنی تدریس کے دوران قرآن کریم اور سیرۃ النبیؐ اس کی دلچسپی کا خاص موضوع رہے ہیں۔اس ضمن میں انہوں نے ۱۹۲۶ء میں شائع ہونے والی ان کی کتاب مباحث قرآنیہ کا ذکر تو کیا ہے لیکن سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔(ص ۸۵)

۱۱۔ یولیوس ولہاوزون (Julius Wellhausen: 1918-1844): تاریخ اسلام کے موضوع پر تصنیف کرنے والے مستشرقین میں ایک نمایاں نام یولیوس ولہاوزون کا بھی ہے۔ اس نے واقدی کی المغازی کا جرمن میں ترجمہ کیا ہے اور ''تنظیم محمد للجماعۃ فی المدینۃ'' اور ''کتب محمد والسفارات التی وجہت الیہ'' کے عنوان سے سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر دوگراں قدر کتابیں چھوڑی ہیں۔

دوسری فصل ''انصاف پسند اور خائن ومتعصب جرمن مستشرقین'' کے عنوان سے ہے۔ انصاف پسند مستشرقین کے ضمن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جرمن میں تحقیق دو متوازی سمت میں چلی ہے۔ جن مصنّفین نے اپنی علمی پختگی کو عیسائیت یا شخصی وتاریخی کینہ پروری سے محفوظ رکھا ہے انہوں نے معروضی انداز میں سیرت کا جایزہ لیا ہے اور جن حقائق تک ان کی رسائی ہوئی انہیں بغیر کسی خارجی اثر کے صاف صاف بیان کردیا ہے۔ ان کا مقصد خالص علمی تھا۔ انہوں نے بغیر کسی تحریف وتبدیل کے حقائق کو جوں کا توں رہنے دیا ہے (ص ۸۰)۔ دیگر مستشرقین نے اس طرح کے افراد پر خیانت علمی، جذباتیت کا بہاؤ اور عربوں سے رواداری اور ان سے تقرب کی خواہش کا الزام عاید کیا ہے۔ انصاف پسند مستشرق کی حیثیت سے فاضل مقالہ نگار نے ماری شیمیل اور ریسکہ کا خصوصی ذکر کیا ہے اور خائن ومتعصب مستشرقین کے افکار کا جایزہ لیتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ ان کا مقصد شعوری طور پر اسلام اور نبی اسلام کی صورت مسخ کرکے حقائق کو غلط انداز میں پیش کرنا اور اہل مغرب کو اسلام سے بیزار کرنا تھا۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ ظلم وخیانت سے متصف یہ مستشرقین مکروفریب کے پتلے تھے۔ انہوں نے زبردست علمی کاوشیں پیش کیں، اسلامی موضوعات کی تہہ میں غوطہ زن ہوکر اپنے زبردست علمی نتائج سے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا یہاں تک کہ مسلمان ان کی تحقیق پر فریفتہ ہوکر ان سے استفادہ کرنے لگے۔ لیکن اپنی ان تحقیقات کے اندر انہوں نے جابجا نبی کریمؐ کی حقیقی تصویر مسخ کرکے اسے غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی تصانیف کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی شہد میں زہر ملادے۔ اس قسم کے مستشرقین نے بے تکے انداز میں افتراء پردازی نہیں کی ہے، بلکہ مصادر کو کھنگالا ہے اور ضعیف وموضوع روایات کا سہارا لے کر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی ہے۔ مقالہ نگار نے اس قسم کے مستشرقین میں کارل بروکلمان، یولیس ولہازون کا خصوصی تذکرہ کیا ہے، البتہ یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ بعض مستشرقین غیر شعوری طور پر خطا ولغزش کا شکار ہوگئے ہیں۔

اس ضمن میں اسپرنگر کا خصوصی طور سے نام آتا ہے۔ متعصب اور علمی خیانت کا ارتکاب کرنے والے ان مستشرقین نے اپنے ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے سیرۃ النبیؐ سے متعلق اپنی تحریروں میں جس طریقہ کار کو اختیار کیا ہے اسے فاضل مقالہ نگار نے چودہ نکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد عبدو کا ''جرمن زبان میں اللہ کے رسولؐ سے متعلق تحریروں کی کتابیات'' کے عنوان سے ہے، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ان کتابیات کا تذکرہ ہے جن کے مصنف عرب یا پاکستان اور ترکی وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں اکیس کتابوں کا ذکر ہے اور دوسری قسم میں جرمن، برطانیا اور فرانس سے تعلق رکھنے والے مولفین کی دس تصانیف کا تذکرہ ہے اور ان کے موضوعات کا دو ایک سطر میں تعارف بھی پیش کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان تمام کتابوں کے عناوین جرمن میں بھی پیش کیے گئے ہیں اور حاشیہ میں ناشر کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ آخر میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ چند کتابیات ہیں جن کا تعارف مقصود ہے، احاطہ ممکن نہیں، کتابیات کی فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔ السیرۃ النبویۃ تالیف ابن اسحاق، ترجمہ وتصحیح گرنارٹ روٹر۔ ۲۔ من سیرۃ النبیؐ (دو جلدیں)۔ ۳۔ سیرۃ نبیناؐ۔ ۴۔ نبی الرحمۃ محمدؐ۔ مشاہد من سیرتہ المطہرۃ۔ ۵۔ النبی محمدؐ: موجز لتاریخ الثقافۃ الاسلامیۃ۔ ۶۔ النبی محمدؐ زعیما۔ ۷۔ الہجرۃ الی یثرب۔ ۸۔ معجزات محمدؐ۔ ۹۔ محمدؐ بالمومنین رؤف رحیم۔ ۱۰۔ محمدؐ رسول اللہ۔ سیرۃ النبی۔ ۱۱۔ محمدؐ القدوۃ۔ ۱۲۔ کنز الحکمۃ۔ ۱۳۔ قصص الانبیاء من القرآن الکریم۔ ۱۴۔ قدوتنا الوحیدۃ نبیناؐ۔ ۱۵۔ ماذا یعنی کنا نہج النبیؐ۔ ۱۶۔ معجزۃ محمدؐ۔ ۱۷۔ سیرۃ محمدؐ۔ ۱۸۔ سیرۃ النبی محمدؐ۔ ۱۹۔ النبی محمدؐ ومعراجہ۔ ۲۰۔ نبی الرحمۃ محمدؐ۔ ۲۱۔ أحادیث عن سنۃ النبیؐ۔

جرمن، برطانیا اور فرانس سے تعلق رکھنے والے مؤلفین کی کتب:

۱۔ سیرۃ آخر الانبیاءؐ۔ ۲۔ میلاد الاسلام۔ ۳۔ محمدؐ۔ سیرتہ حسب اقدم المصادر۔ ۴۔ محمدؐ۔ ۵۔ محمدؐ: سیرتہ وعقیدتہ۔ ۶۔ محمدؐ والقرآن۔ ۷۔ محمدؐ۔ ۸۔ میراث محمدؐ۔ ۹۔ سیرۃ النبیؐ۔ ۱۰۔ عالم الاسلام، تاریخ وثقافۃ تحت تاثیر النبیؐ۔

ڈاکٹر سعید العلمی نے ''سیرۃ النبیؐ کے مخطوطات اور جرمن استشراق'' کے عنوان سے ان جرمن مستشرقین کا عمدہ تعارف پیش کیا ہے جنھوں نے مخطوطات کی حصولیابی کے لیے دور دراز کے سفر کیے

اوراسے اپنی بحث وتحقیق کی جولان گاہ بنایا۔تمہیدی گفتگو کے بعداس ضمن میں مستشرقین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: مخطوطات کی حفاظت،فہرست سازی، تحقیق واشاعت اورسینکڑوں اسلامی کتب کے تراجم میں مستشرقین نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔اس ضمن میں مستشرقین اور ہماری کاوشوں میں بعدالمشرقین ہے۔مخطوطات کے حصول کے لیے انہوں نے طویل مسافتیں طے کیں، کثرت سے پیسہ خرچ کیااور جہد مسلسل کا سہارالیا۔بسااوقات معمولی قیمتوں پر بھی بعض مخطوطات انہیں حاصل ہوئے ،انہوں نے صرف مغرب کی لائبریریوں میں ہی اس کی ترتیب کا کام انجام نہیں دیا، بلکہ مشرق کے کتب خانوں میں بھی اس کی ترتیب میں اپنا تعاون پیش کیا۔انہوں نے مخطوطات تک رسائی کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے، چوری کی، کتب خانوں کے ذمہ داروں سے تعلقات استوار کرکے ان سے تحائف کی صورت میں مخطوطات حاصل کیےاوراسلام کا لبادہ اوڑھ کر عالم اسلام سے ہزاروں مخطوطات اچک لیے۔حکومت کا بھی انہیں بھرپور تعاون حاصل رہااوراس کام میں انہوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ لگادیا۔مخطوطات کے جمع وتدوین کرنے والے ممالک میں فرانس سرفہرست ہے۔اسلام وعرب سے واقفیت اور عیسائیت کی اشاعت کے لیے ان مخطوطات کو حاصل کرکے انہیں چرچ کے سپرد کردیا گیا۔اس کے بعدان جرمن محققین کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے مختلف طریقوں سے مخطوطے حاصل کرکے ان کی تحقیق وتدوین کا کارنامہ انجام دیا ہےاوران کے حاصل شدہ مخطوطات کی تفصیل بھی فراہم کی گئی ہے۔چنداہم مستشرقین کے نام اس طرح ہیں:

ریسکہ (Johann Jakob Reiske: 1774:1716)، فلوجیل (Gusttav Leberecht Fluegel: 1870-1802)، ویستنفلد (Westenfeld: 1899-1808)، ویلہلم الفارت (Wilhelm Ahlwardt: 1909-1828)، تیودورنولدیکی (Theodor Noldeke: 1930-1836)، یولیوز ولہاوزون (Julius Wellhausen :1918-1844)، الویس اسپرنگر (Aloys Sprenger: 1892:1813)، بولس برنالد (Brunilp) شادہ (Shaad A.: 1952-1883)، جوزف شاخت (Joseph Schacht:1902-1969) ہلتز فیر (Rhewsnah: 1909)۔

ایک اہم مقالہ "مدرسۃ لایبسیغ الالمانیۃ والکتابۃ فی السیرۃ النبویۃ۔ہرمان ریکندوف مثالاً" کے عنوان سے ہے۔اس کی ابتدامیں مقالہ نگار نے وضاحت کی ہے کہ جرمن میں سیرت نگاری کا جب

ذکر آئے گا تو برلین یونیورسٹی اوراس کے سربراہ الاستاذۃ انجلیکا نویفیر یت (Augelika Neuwirth) اور ایرلنغن یونیورسٹی اور اس کی سربراہ الاستاذہ ہارتموت بوبتسین (Hartmut Bobzin) کا ذکر ضرور کیا جائے گا۔اسی طرح جدید جرمن یونیورسٹی میں مدرسہ لایبسیغ کا ذکر بھی ناگزیر ہے (ص ۱۱۰)۔

ہرمان ریکندرف، جو اسی مدرسہ کا ترجمان ہے، اس کی تفصیل پیش کرنے سے قبل مقالہ نگار نے ان خطوط کی نشان دہی کردی ہے جن سے جرمن میں بحث وتحقیق کے اس اہم مرکز کے نقوش واضح ہوجاتے ہیں۔اس کے بعد ہرمان کی انفرادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی کتاب ''سیرت نبی الاسلام محمدؐ'' کا تفصیلی جایزہ لیا ہے۔یہ کتاب ایک سو چونتیس صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں کل پانچ عناوین ہیں۔اس کا اسلوب خطابی ہے گویا کہ وہ ایک ایسے قاری سے جو اس موضوع میں ماہر نہیں ہے براہ راست مخاطب ہوا ہے۔اس کے بعد پانچوں عناوین تاثیرات محمدؐ وآثارہ، غزوات محمدؐ، محمدؐ واتباعہ علیہ، القوم وعامۃ الناس اور کیف عامل النبیؐ غیر المسلمین کے تحت ان کا تفصیلی جایزہ لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر حنان السقاط کا مقالہ تقدیم کتاب طوراندریہ: محمد حیاتہ وعقیدتہ کے عنوان سے شامل ہے۔ ابتدا میں طوراندریہ Torandrae:1885-1947 کا تعارف ہے اور اس کے امتیازی وجوہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ طوراندریہ نبی کریمؐ کی شخصیت پر فریفتہ ہے اور علم، اخلاق، روحانیت اور قیادت ہر لحاظ سے وہ آپؐ کو عبقری شمار کرتا ہے۔اس کے بعد آپؐ کی مختلف جہات کا جایزہ لیتا ہے۔اس تناظر میں بہت سے مقامات پر وہ بالکل الگ رائے پیش کرتا ہے، لیکن وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ آپؐ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔طوراندریہ کا خیال ہے کہ محقق کے لیے موزوں یہی ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی تشکیل کرنے والے عناصر کو اس کا صحیح مقام دے۔اس نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ آپؐ کی تاثیر اپنے دین میں سب سے زیادہ ہے۔اس لیے آپؐ کا دین مادی وروحانی دونوں جہات کا احاطہ کرتا ہے۔اس کا دوسرا اہم وصف یہ ہے کہ اس کے نزدیک اسلام ایک ہمہ گیر روحانی تحریک ہے، جو انسان کی زندگی کو مقصد اور نصب العین عطا کرتی ہے۔اسی طرح نبی کریمؐ کو مسلمانوں کے نزدیک جو مقام ومرتبہ اور بلند مقام حاصل ہے اس پر بھی اس نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اپنے عیسائی پس منظر کی وجہ سے اس نے بہت سے نبوی واقعات کی مختلف توضیحات کی ہیں، نبی کے انتظامی امور سے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ہر موقع کا فائدہ اٹھایا۔اسی طرح آپؐ نے اپنے متبعین کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی

کہ اسلام ہی صاف شفاف دین ہے۔اس کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں سب باطل کی آمیزش ہے۔ کتاب کی آخری فصل میں اللہ کے رسولؐ سے متعلق مغربی نظریہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یورپ میں نبیؐ کی جو منفی تصویر پیش کی گئی ہے اس کا اصل سبب نشأۃ الثانیہ کے دور کے ادباء ہیں، یہودی و مسیحی علماء کا اس میں کوئی قصور نہیں (ص ۱۲۳)۔مغربی مصنّفین نے ہمیشہ اس خیال کی تائید کی کہ آپؐ نے ایک غیر حقیقی دین پیش کیا ہے اور اسلام نفرت وعداوت اور جبر واکراہ کا دین ہے، جبکہ مغرب کے بالمقابل استشراق نے اسلام کی حقیقی صورت پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ڈاکٹر حسین تایتائی کا مقالہ ''الاسلام والسیرۃ النبویۃ فی المانیا بین مناہج الاستشراق ودافع المسلمین المستشرق بیتر شول نموذجا'' کے عنوان سے ہے۔مقالہ نگار نے صراحت کی ہے کہ مختلف تاریخی وسیاسی اسباب کی بنا پر فرانس، ہالینڈ، اٹلی اور برطانیہ کے بالمقابل جرمن میں مستشرقین کی تحقیقات کا سلسلہ کافی تاخیر سے تقریباً سولہویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔اس ضمن میں جرمن میں مسلمانوں کی آمد اور ان کے قیام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس وقت تعداد کے لحاظ سے جرمن میں اسلام دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے۔استشراق کے پیش نظر شروع سے ہی اسلام اور عربی واسلامی تاریخ وثقافت کا مطالعہ رہا ہے، البتہ ان کے مقاصد کے ضمن میں نقاد کی مختلف آراء ہیں: یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی نشرواشاعت میں استشراق کا اہم کردار رہا ہے، لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی تاریخ کو مسخ کرنے، ان کے مذہب پر تنقید اور عالم اسلام پر سامراج کو غلبہ اور اقتدار عطا کرنے کے لیے ان میں کمزور مقامات کی نشان دہی بھی ہمیشہ استشراق کے اہم مقاصد کا جزرہا ہے۔

اس کے بعد اسلامی موضوعات پر جرمن مستشرقین کا منہج کے عنوان سے چار الگ الگ مناہج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔''المنہج المسیحی الردیکالی، المنہج المحافظ الاکادیمی، المنہج العلمانی السیاسی اور المنہج الحواری الاجتماعی'' اور بہت اختصار سے ان کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔آخر میں ''المنہج اللاتوری'' کے عنوان سے مستشرق بیتر شول (Peter Scholl Latour: 2014-1924) کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس کے منہج کا انحصار ان امور پر ہے:

۱۔اسلام کے تئیں اہل مغرب کے نظریہ کی تصحیح۔ ۲۔دین اسلام میں قوت کے سرچشمہ کو نمایاں

کرنا۔ ۳۔ثقافت اسلامی کی اساس کا مطالعہ۔ ۴۔مقالات کے نشرواشاعت کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال۔ ۵۔عالم اسلام کا حقیقی اورزمینی مطالعہ۔

بیتر شول نے فکر اسلامی سے متعلق مغربی نقطۂ نظر کا معروضی انداز میں مطالعہ کیا ہے اور اسلام، اس کے فکری سرمایہ اور اسلامی ثقافت کے متعلق مغربی تحقیقات کا اپنی تحریروں میں کثرت سے تنقید کے ساتھ مسیحیت اور مغربی ثقافت کے اخلاقی وروحانی زوال کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔اسی طرح اس نے اسلام کی روحانی طاقت وقوت کی نشان دہی بھی کی ہے، البتہ اسلام کی نشرواشاعت سے متعلق اس کی بعض آرا نا قابل قبول ہیں۔

اگلا مقالہ ''البعد الاصولی والمقاصدی فی الکتابات الاستشراقیۃ اللمانیۃ'' کے عنوان سے ڈاکٹر نورالدین بن مختار الخادمی کا ہے۔اس کی ابتداء میں انہوں نے ''البعد الاصولی'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کا مفہوم اصول فقہ سے متعلق تمام معلومات ونتائج کا علم ہے، جس کے ذریعہ اصول کی حقیقت آشکار ہوتی ہے، خواہ مضمون کی معرفت یا علمی سطح پر یا منہج، اسلوب اور کیفیت کی سطح پر یا کسی دوسرے علمی، ثقافتی اور ماحولیاتی سطح پر یا عمومی، ثقافتی وعمرانی سطح پر'' اور بعد مقاصدی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، ''شریعت اسلامیہ کے مقاصد یا ان مقاصد پر عمل کو ظاہر کرنے والا پہلو ''بعد مقاصدی'' کہلاتا ہے۔اس سے ان کے نقوش، شواہد اور عناصر وآثار کا پتہ چلتا ہے۔مقاصد کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اس سے مقصود مصالح کا حصول اور مفاسد کا ازالہ ہے۔اس کے بعد مقالہ نگار نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ جرمن استشراق کی تحریروں سے مقصود کیا ہے؟ ان کا خیال ہے کہ مستشرقین کی تحریروں سے مقصود وہ تحریریں ہیں جن کا مقصود مشرق عربی واسلامی کی تاریخ، تہذیب، ثقافت و تمدن، علوم وفنون، آداب، رسم ورواج اور آبادی وماحولیات سے بحث کرنا ہے۔ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا استشراق کے پیش نظر صرف شرق اسلامی کا مطالعہ ہے یا وسیع جغرافیائی وعالمی پس منظر میں پوری امت اسلامیہ کے مختلف اطوار ومراحل کا مطالعہ ہے؟ ایک مرکزی عنوان ''جرمن استشراقی تحریروں کے اجمالی نقوش'' کے نام سے قائم کیا ہے، پھر مختلف ذیلی عناوین کے تحت ان کا تفصیل سے تجزیہ کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ تاریخ اسلام، زبان وادب اور دیگر علوم وفنون کے موضوع پر جس طرح کی استقصائی تحریریں مستشرقین کے یہاں ملتی ہیں۔ایسی اختصاصی تحریروں کا اصول فقہ میں فقدان

ہے البتہ جزئی اور سطحی انداز میں کہیں کہیں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے اس کا پورا تصور واضح نہیں ہوتا۔اس کے بعد ''الدراسۃ المشبوہۃ والمشوہۃ للاصل والمقاصد'' کے عنوان سے ان تحقیقات کا جائزہ لیا ہے جن کا مقصد اصول و مقاصد کی حقیقت کو مسخ کرنا اور اسے غلط انداز میں پیش کرنا ہے۔مقالہ نگار نے صراحت کی ہے کہ مستشرقین کے پیش نظر ہمیشہ ناپاک عزائم، گندے محرکات اور سنگین قسم کے الزامات رہے ہیں اور اس کا مقصد عالم اسلام میں امن و سکون، تہذیب و ثقافت اور قانون کی حالت کو مسخ کرنا اور اسے تباہ و برباد کرنا ہے۔اس کے بعد اس کے چند مظاہر کی طرف اشارہ کرکے ان کا تنقیدی جایزہ پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن کریم کے تقدس، اعجاز اور تربیتی، تشریعی اور ثقافتی خوبیوں کا انکار۔ ۲۔کتب احادیث کے سلسلے میں تشکیک اور روایات کا انکار۔ ۳۔رواۃ حدیث کے بارے میں تشکیک۔ ۴۔عربی زبان کے بارے میں تشکیک۔ ۵۔اسلامی تاریخ، مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں تشکیک۔

اس کے بعد ان اسباب کا تفصیل سے جایزہ لیا گیا ہے جس کی وجہ سے مستشرقین کے یہاں غلط بیانی اور حقائق سے چشم پوشی در آئی ہے۔آخر میں یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ ایسے مستشرقین بھی بڑی تعداد میں ہیں جن کے یہاں معروضی انداز پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سعید المغازی کا مقالہ ''رسول اللہؐ فی تصور المستشرقۃ الالمانیۃ ماری شیمیل'' کے عنوان سے ہے۔اس مقالہ میں ایک انصاف پسند اہم جرمن مستشرقہ محترمہ انا ماری شیمیل (۱۹۲۲۔۲۰۰۳) اور ان کی کتاب ''وان محمدا رسول اللہؐ'' کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔اسلام، رسول اسلام، اسلامی و عربی تہذیب و ثقافت کی تاریخ، تصوف، صوفیانہ فکر، عربی، فارسی اور ترکی شاعری، خط عربی اور مسلمانوں کی موجودہ زندگی جیسے موضوعات پر ان کی ایک درجن سے زائد کتب اور سینکڑوں مقالات ہیں۔مقالہ نگار نے اس کی بعض اہم کتب کی فہرست بھی نقل کی ہے۔اس کے بعد سیرت نبوی سے متعلق اس کی اہم کتاب، جو ۱۸۹۱ میں جرمن زبان میں اور ۱۸۹۵ میں انگریزی میں شائع ہوئی تھی، اس کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے۔انگریزی ترجمہ کے مطابق کتاب کا عنوان ہے ''وان محمدا رسول اللہ: احترام واجلال الرسول فی التدین الاسلامی''۔اس میں مقدمہ و پیش لفظ کے علاوہ بارہ فصلیں ہیں۔ان کے عناوین اس طرح ہیں:

۱۔سیرت اور سیرت اعظمؐ کی اصطلاحات کی طرف اشارہ۔ ۲۔شمائل نبویؐ، اخلاق و عادات

رسول ؐکا تذکرہ۔ ۳-رسولؐ کی عظمت۔ ۴-معجزہ۔ ۵-محمدؐ بحیثیت شفیع۔ ۶-اسماء النبیؐ۔ ۷-نور محمدیؐ۔ ۸-عید میلاد النبیؐ۔ ۹-اسراء ومعراج۔ ۱۰-نبیؐ کی تعظیم میں عرب وغیر عرب کے منظوم قصائد، مدینۃ الرسولؐ کی زیارت کے عنوان سے شعراء کے قصائد، مدحیہ قصائد وغیرہ۔ ۱۱-حیات نبویؐ کی تشریح نو۔ ۱۲-شاعر اسلام علامہ اقبال کی شاعری میں رسولؐ کا تذکرہ۔

مصنف ماری شیمیل کے مطابق مذکورہ کتاب اس کی چالیس سالہ کوششوں کا ثمرہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس کی زندگی کے مختلف پہلو اور اس کی اسلام دوستی کا تفصیلی جایزہ پیش کیا ہے اور ان الفاظ میں اس کی تحسین کی ہے: ''مصنفہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے کھلے دل سے اسلام کی عظمت اور اس کی علمی فتوحات کا اعتراف کیا ہے''۔

ڈاکٹر عبدالعزیز انمیرات کا مقالہ ''السیرۃ النبویہ فی الاستشراق الالمانی: نظرات فی الدراسات المنصفۃ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں ان انصاف پسند مستشرقین کا جایزہ ہے، جنھوں نے معروضی انداز میں سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور کسی نظریہ کو اپنے اوپر مسلط کر کے احساس برتری کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ مقالہ نگار نے یہ صراحت کی ہے کہ استشراق کے پیش نظر دو خاص مقاصد رہے ہیں۔ سیاسی و سامراجی اور فکری وثقافتی بعض مستشرقین کے پیش نظر اپنی تحقیقات کے ذریعہ تہذیب وثقافت کے اس نمونے سے آگاہی حاصل کرنا تھا جس کی اساس اسلام نے وضع کی تھی اور تہذیب وثقافت کے مختلف میدان میں اس کے کارناموں کا تعارف مقصود تھا جس نے قرآن کریم اور سنت نبوی کی طرف ان کی خصوصی توجہ مبذول کروائی۔ ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مغربی بحث وتحقیق میں اسلام کے متعلق جو بھی تحریریں منظر عام پر آئی ہیں ان میں سیرۃ النبی کو خاص توجہ حاصل رہی ہے، خواہ انفرادی سطح پر یا اکیڈمی کی سطح پر اور ان میں سے بیش تر میں نظریہ میں اعتدال اور گفتگو میں انصاف کا لحاظ نہیں رکھا جاسکا اور اسلام دشمن مشنری ممالک نے اس کا جو دائرہ کار متعین کر دیا تھا عموماً وہ اسی کے ارد گرد گردش کررہی ہیں۔ مقالہ نگار نے انصاف پسند مستشرقین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے:

''عربی اور اسلامی سرمایہ کی بحث وتحقیق اور جمع وترتیب وتدوین میں بعض مستشرقین کی جو گراں قدر خدمات ہیں انھیں کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آج اسلام اور مسلمانوں سے متعلق استشراقی اداروں کے ناپاک عزائم، حقائق سے چشم پوشی اور حقیقت سے انحراف بالکل واضح ہے۔ مستشرقین کی

کوششوں ہی کے نتیجہ میں ہزاروں کرم خوردہ مخطوطات عرصۂ تک پردۂ خفا میں رہ کر منظر عام پر آئے ہیں۔ مستشرقین کے متعلق خواہ کسی بھی رائے کا اظہار کیا جائے، جمع و ترتیب اور تحقیق و تدوین کے میدان میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ بالخصوص جنھوں نے نظریاتی، مادی اور سامراجی دباؤ سے بالاتر ہوکر کسی حد تک صرف علمی اور معروضی انداز میں اپنی بحث و تحقیق کے نمونے پیش کیے ہیں۔ مقالہ کے آخر میں مقالہ نگار نے فلوجل، کریستان شنور (۱۷۴۲-۱۸۲۲) اور کارل بروکلمان کے حوالہ سے یہ واضح کیا ہے کہ ان کے بارے میں خواہ کچھ بھی کہا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری تہذیب و ثقافت، تاریخ اور علمی سرمایہ سے روشناس کرانے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ اسی طرح بہت سے مخطوطات ان کی کوششوں سے زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہے ہیں۔

''غوتہ ورسول الاسلام محمدؐ'' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالرزاق مسلک کا مقالہ بھی شامل کتاب ہے۔ جرمن شعراء و ادباء کی اس فہرست میں، جنھیں مشرق اور عالم اسلام کی تہذیب و ثقافت اور آداب سے خصوصی دلچسپی رہی ہے، ایک اہم نام غوتہ کا ہے۔ عربی شعر و ادب اور اسلام سے اس کی دلچسپی کی وجہ سے اس کی ادبی تحریروں میں اثر پذیری صاف نظر آتی ہے۔ ''انشودة محمدؐ'' کے نام سے اس نے شان رسالت میں جو مدحیہ قصیدہ کہا ہے اس نے ہمیشہ کے لیے اسے زندہ و جاوید بنا دیا ہے۔ اس مقالہ میں اللہ کے رسولؐ کے بارے میں غوتہ کے نظریہ اور ان ادبی الہامات کا تذکرہ ہے جس کا سرچشمہ ذات رسولؐ ہے۔ مقالہ نگار نے تفصیل سے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جن کے نتیجہ میں عربی زبان و ادب اور اسلام سے غوتہ کی دلچسپی رہی ہے۔ اس نے اس کی دو خاص وجہیں بتائی ہیں ایک تو وہ غوتہ کے زمانہ میں رواج پذیر افکار اور دوسرے غوتہ کا ذاتی رجحان، جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہے۔ آخر میں اس کے بعض اشعار ''انشودة محمدؐ'' سے پیش کیے گئے ہیں، جن سے اس کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

آخری مقالہ ڈاکٹر خالد لزعر کا ''الاسلام ونبیہ محمد والجدل بعضهما فی بعض الکتابات الالمانیۃ'' کے عنوان سے ہے۔ مقالہ کا آغاز اس بحث سے ہوا ہے کہ ادب الرحلات میں اسلام کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا اسلام اور مسیحیت کے مابین مکالمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس میں اسلام کو خوف اور دہشت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف جرمن سیاحوں نے اسلام کے تعلق سے جو آراء پیش کی ہیں ان کے سبب شروع سے ہی اسلام کی غلط تصویر پیش ہوئی ہے۔

مقالہ نگار نے جرمن زبان میں ان کی کتابوں سے متعدد اقتباسات نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ اس طرح کے جملے عام قارئین کے ذہن میں خوف کی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور اسلام کا انکار اور مسلمانوں سے بغض وعناد ان کی مجبوری بن جاتی ہے۔ مشہور جرمن سیاح جی رولفس (Grehard Rohlps: 1831-1896) مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی دینی مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے یہ جواز پیش کرتے ہوئے منع کیا ہے کہ وہ منطقی زبان نہیں سمجھتے اور ان کے نزدیک ہر بحث کا جواب صرف آگ اور تلوار ہے۔ تاریخی حوالہ سے اپنی بحث کو مدلل کرتے ہوئے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ ساتویں صدی سے سترہویں صدی کے آخر تک یعنی تقریباً ایک ہزار سال بالعموم مغرب کا اسلام کے تعلق سے معاندانہ نقطۂ نظر رہا ہے۔ صلیبی جنگ کے آغاز سے ہی اسلام کو نقصان پہنچانے اور اس کے خلاف برسرپیکار ہونے کے مقصد سے اصحاب کلیسا کی پشت پناہی میں قرآن کریم کے متعدد تراجم ہوئے ہیں۔ اس کا آغاز ۱۱۴۳ھ میں ایک پادری کے ترجمہ سے ہوا ہے۔ اربابِ کلیسا کی اسلام دشمنی صرف قرآن تک محدود نہیں رہی، بلکہ انہوں نے رسول اسلامؐ اور اسلامی نصوص کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ مقالہ نگار نے تاریخی تناظر میں بہت سے جرمن مستشرقین کا حوالہ دیا ہے اور ان کی کتب سے اسلام مخالف اقتباسات بھی پیش کیے ہیں اور واضح کیا ہے کہ اس طرح کے اقوال بغیر کسی حوالہ کے جرمنی صحافت میں کثرت سے منقول ہیں۔

کتاب کے آخر میں چودہ نکات کی صورت میں سیمینار میں منظور ہونے والی چودہ اہم تجاویز اور سہ روزہ سیمینار کی مفصل رپورٹ بھی شامل ہے اور افتتاحی اجلاس میں خطاب کرنے والی اہم شخصیات کے خطبات بھی اس میں شامل کردئے گئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ کے موضوعات پر جرمن مستشرقین کی تحقیقات، ان کے طریقۂ کار، اس فن میں جرمن زبان میں موجود ذخیرۂ کتب، جرمن اصحاب علم کی نگاہ میں اللہ کے رسولؐ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے اور جرمن جامعات میں سیرۃ النبیؐ کے موضوعات سے دلچسپی رکھنے والوں کے سامنے غور وفکر کا ایک نیا باب وا ہوتا ہے۔ یہ کتاب دستاویزی حیثیت کی حامل ہے۔ سیرۃ النبیؐ کے تعلق سے جرمن مستشرقین کی خدمات کا جب بھی ذکر آئے گا اس کتاب کو نظر انداز کرنا آسان نہ ہوگا۔

# من گھڑت اور غیر معتبر روایات بنیادی عوامل اور ان کے سدباب کی راہیں

مفتی طارق امیر خاں

شریعت غرّ اء میں احادیث رسول اللہ کو مصدر ثانی کی اساسی حیثیت حاصل ہے، جس میں نقب زنی سے حفاظت کا انتظام عہد رسالت کی ابتداء ہی سے کر دیا گیا تھا اور یہ صیانت وحفاظت آپؐ کے اس فرمان کا نتیجہ تھی:

من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔(۱) جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

جاں نثار صحابہ آپؐ کے اس ارشاد سے ہر دم خوف زدہ رہتے تھے اور آپؐ کا یہ دستور ہمہ وقت ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔صحابہؓ کی اسی کیفیت کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''سید الکونینؐ کا یہ فرمان، محافل صحابہؓ میں اتنی شہرت اختیار کر گیا تھا کہ آج بھی کتب حدیث میں سو سے زائد ایسے صحابہؓ کے نام محفوظ ہیں، جن سے یہ روایت مسنداً (سند کے ساتھ) منقول ہے''۔(۲)

اگر ان تمام طرق اور روایات کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا یہ فرمان ہمہ گیری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، کیونکہ جہاں ابتدائے نبوت کی خفیہ مجالس میں اس حدیث کی سرگوشیاں تھی، وہاں اکمال نبوت یعنی خطبہ حجۃ الوداع کے عظیم اجتماع میں بھی اسی اعلان کی گونج تھی، جہاں عشرہ مبشرہ اس روایت کو نقل کر رہے ہیں، وہاں صحابہؓ کے عام وخاص بھی اس کو دہرا رہے تھے، صحابہؓ میں جس طرح

---

متخصص فی علوم الحدیث، جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

یہ ارشاد زبان زد عام تھا، صحابیاتؓ کی مجالس بھی اس فرمان سے مزین تھیں۔

آپؐ کے اسی ارشاد کا اثر تھا کہ جب ذخیرۂ احادیث میں من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایات کے ذریعہ رخنہ اندازی کی مذموم کوششیں شروع ہوگئیں، تو محدثین کرام نے احادیث کے صحت و سقم کے مابین "اسناد" کی ایسی خلیج قائم کردی، جس کی مثال امم سابقہ میں ملنا محال ہے، محدثین کرام نے احادیث کو خس وخاشاک سے صاف کرنے کے لیے یہی "میزان اسناد" قائم کی، جس کے نتیجے میں حدیث کے مبارک علوم وجود میں آتے رہے، ضعیف اور کذاب راویوں پر مستقل تصانیف کی گئیں، انہی متقدمین علما نے کتب العلل میں ساقط الاعتبار (غیر معتبر) احادیث کو واضح کیا، علمائے متاخرین نے بھی باقاعدہ مشتہرات (زبان زد عام روایات پر مشتمل کتابیں) ساقط الاعتبار اور من گھڑت روایات پر کتابیں لکھیں، چنانچہ ہر زمانے میں احادیث کا ذخیرہ محفوظ شاہراہ پر گامزن رہا، غرض کہ روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے، وہ حدیث کے محافظین خود ساتھ لایا ہے۔

**پاک و ہند میں ساقط الاعتبار اور من گھڑت روایات اور ان کا سد باب:** اگر ہم اپنے خطے برصغیر پاک و ہند کا جائزہ لیں، تو موضوعات کی روک تھام میں سرفہرست علامہ ابوالفضل الحسن بن محمد صاغانی لاہوریؒ کا نام نظر آتا ہے، ۵۷۷ھ میں وہ لاہور (پاکستان) میں پیدا ہوئے اور حدیث ولغت کی دیگر خدمات کے ساتھ خودساختہ روایات پر دوگراں قدر کتابیں لکھی۔ ۱۔ الدرر الملتقط في تبيين الغلط۔ ۲۔ موضوعات الصغانی۔

**من گھڑت اور غیر معتبر روایات کے بنیادی عوامل:** پاک و ہند میں من گھڑت اور باطل روایات کا مطالعہ بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے، جن میں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں وہ کون سے قدیم بنیادی طبقات ہیں، جو یہاں خود ساختہ روایات کی ترویج میں راہ ہموار کرتے رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں سب سے قدیم تحریر علامہ صاغانی ہی کی ملتی ہے، جس سے ہمیں بڑی حد تک اس مسئلے کے جواب میں رہنمائی ملتی ہے، چنانچہ علامہ صاغانی "الدرر الملتقط" (۳) میں اپنی تصنیف کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقد كثرت في زماننا الاحاديث الموضوعة، يرويها القصاص على رؤوس المنابر والمجالس، ويذكر الفقراء والفقهاء في الخوانق والمدارس، وتداولت

في المحافل، واشتهرت في القبائل، لقلة معرفة الناس بعلم السنن، وانحرافهم عن السنن''۔

اس عبارت میں امام صاغانی نے موضوعات اور غیر معتبر روایات کی اشاعت میں ملوث چند عوامل کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

۱۔قصہ گو برسر منبر اور مجالس عامہ میں من گھڑت روایتیں بیان کرتے تھے، ایسے ہی جاہل صوفیہ اور جاہل فقہا کی مجالس بھی ان باطل مرویات سے پُر تھیں۔

۲۔اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ خود ساختہ عبارتیں ملت سلامیہ کے ہر طبقے اور قبیلے میں رواج پاتی رہیں اور یہی کلام مجالس کی زینت بنتا رہا، بالآخر موضوعات کی یہ گرم بازاری پورے معاشرے میں سرایت کرگئی۔

۳۔اس شرعی انحطاط کا باعث صرف معرفت حدیث سے دوری تھی۔

**وضاعین کی اقسام اور ان کے مذموم مقاصد:** علامہ صاغانی کا گزشتہ اقتباس ہماری قدیم خستہ حالی کی جیتی جاگتی تصویر ہے، جس میں مذکور طبقات ہمارے سابقہ سوال کا اجمالی جواب ہیں، مزید وضاحت کے لیے ہم علامہ عبدالحئیؒ لکھنویؒ کے اس مقدمہ (۴) کو بہت ہی معاون پاتے ہیں، جس میں انہوں نے حدیث گھڑنے والوں کے اغراض و مقاصد بتاتے ہوئے انہیں کئی اقسام پر تقسیم کیا، ان اقسام سے ہم بخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں وہ کون سے حلقے، افراد اور گروہ ہیں، جن کے ہاں موضوع روایات کا ایک بڑا ذخیرہ جنم لیتا رہا ہے، بالفاظ دیگر یہ روایات انہیں کے راستے سے مشہور ہوئیں۔

**۱۔زَنادِقہ:** زنادقہ، ان کا مقصد امت میں رطب و یابس پھیلا کر شریعت کو مسخ کرنا ہے، علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی نے اس عنوان کے تحت پاک و ہند کے ''فرقۂ نیچریہ'' اور ان کے گمراہ کن عقائد کا ذکر کیا ہے، آپ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ فرقہ نصوص شرعیہ میں تحریف (تبدیلی) لفظی و معنوی کا مرتکب رہا ہے۔

**۲۔مویدین مذاہب:** دوسری قسم ان افراد کی ہے، جنھوں نے اپنے مذہب اور موقف کی تائید میں روایتیں گھڑیں، اس عنوان کے تحت علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی نے حدیث میں خوارج کے طریقہ واردات

کو بیان کیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بعض خوارج نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ہم نے اپنے موقف اور رائے کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی احادیث گھڑی ہیں۔ یہاں برصغیر پاک و ہند میں موجود اہل سوء اور بدعتیوں کا ذکر بھی برمحل ہے، جنھوں نے اس خطے میں بہت سی محدثات (دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا) اور بدعات کو سند جواز فراہم کی اور اپنی اختراعات کے ثبوت میں من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایتوں کا سہارا لیا۔

۳۔اصلاح پسند افراد: تیسرا طبقہ ان افراد کا ہے، جنھوں نے لوگوں کی اصلاح کے خیال سے ترغیب وترہیب کی احادیث گھڑیں۔ اس میں علامہ لکھنوی نے ایک دلچسپ مثال بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پاک و ہند کے بعض اصلاح پسند لوگوں نے تمباکو نوشی سے زجر و وعید پر مشتمل احادیث وضع کی ہیں، پھر موصوف نے اس مضمون پر مشتمل وضاعین کی آٹھ ایسی روایتیں لکھیں جو سب کی سب جعلی ہیں۔

۴۔طبقۂ جہلاء: چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو رسول اللہؐ کی جانب ہر امر خیر، قول زریں وغیرہ کا انتساب جایز سمجھتے ہیں، حالانکہ معتبر سند کے بغیر اس طرح انتساب کرنا ہرگز جایز نہیں۔

۵۔اہل غلو: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو عقیدت ومحبت میں افراط وغلو کا شکار ہو جاتے ہیں اور اہل بیت، خلفائے راشدین، ائمۂ کرام اور رسالت مآبؐ کے حوالے سے باطل، بے اصل مضامین مشہور کر دیتے ہیں۔

۶۔واعظین: چھٹا طبقہ ان قصہ گو واعظین کا ہے جو جعلی غرائب زمانہ سنا کر عوام سے داد تحسین وصل کرتے ہیں:

خلاصۂ کلام: خلاصۂ کلام یہ رہا کہ یہی طبقات اور افراد خطۂ پاک و ہند میں حدیث کی جعل سازی کا بیڑا اٹھائے رہے ہیں، بلکہ اس تفصیل کے بعد ہم بصیرت سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش ایسی بہت سی ہم معنی باطل احادیث پھیلی ہوئی ہیں، جو بلا تردد انہیں خاص طبقات کی مذموم کوششوں کا نتیجہ ہے۔

پاک و ہند میں تکاسل حدیث اور اس کے اسباب: اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں زبان زد عام روایات کی تنقیح بجا طور پر ہوتی رہی ہے، لیکن پھر بھی یہ سوال، جواب کا مستحق ہے کہ پاک و ہند میں

افرادامت عام طور پر احادیث میں صرف سطحی ذہن رکھنے والے ہیں اور اکثر احادیث کی چھان بین کو خاطر میں نہیں لایا جاتا، آخر حدیث کے عنوان سے مزاجوں میں حساسیت اتنی مدھم کیوں رہی ہے؟

تلاش بسیار کے بعد پاک وہند کی قابل فخر شخصیت علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ (۱۲۳۹ھ) کی عبارت میں اس معمہ کا حل مل گیا۔ انہوں نے ''کوثر النبی وزلال حوضه الروي'' (۵) میں ایک مقام پر بعض ایسی کتب تفسیر، کتب زہد، کتب اوراد وغیرہ کا تذکرہ کیا، جن میں مقدوح اور غیر معتبر احادیث بھی ہیں، پھر ان کتابوں میں موجود ساقط الاعتبار احادیث کے اسباب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والسبب انه قل اشتغالهم بصناعة الحديث، وانهم اعتمدوا على المشهور في الالسنة من تحسين الظن بالمسلم وانهم انخدعوا بالكتب الغير المنقحة الحاوية للرطب واليابس، وانه لم يبلغهم وعيد التهاون في رواية الحديث، وايضًا منهم من يعتمد على كل ما اسند من غير قدح وتعديل في الرواة۔

(ان کتب میں رطب و یابس احادیث کی) وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنّفین فن حدیث سے کم اشتغال رکھتے ہیں اور مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے زبان زد عام روایتوں پر بھروسہ کر لیتے ہیں (حالانکہ ایسا اعتماد صرف ماہر فن پر ہی کیا جا سکتا ہے، نہ کہ حدیث میں کم اشتغال رکھنے والے پر) اور یہ مصنّفین رطب و یابس پر مشتمل، غیر منقح کتابوں سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور (ان کے بارے میں یہی حسن ظن ہے کہ) ان مصنّفین کو حدیث نقل کرنے میں تہاون (حقیر سمجھنا) کی وعید نہیں پہنچی ہوگی اور بعض مصنّفین سند کے راویوں کی جرح وقدح دیکھے بغیر ہر سند والی روایت پر اعتماد کر لیتے ہیں۔

**اسباب تکاسل کا جایزہ:** دراصل علامہ عبدالعزیز فرہاروی نے جن کتب حدیث وتفسیر وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتب برصغیر میں متداول اور مروج ہیں اور ان کتابوں کے مولفین کی جلالت اور علوے شان بلاشبہہ مسلم ہے، لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان مولفین کا فن حدیث میں اشتغال ناقص رہا ہے، چنانچہ صاحب کتاب کی یہ کمزوری عوام میں بھی سرایت کرتی رہی اور احادیث موضوعہ معاشرے میں پھیلتی رہیں، بہرحال ذیل میں ہم مولانا فرہاروی کے بیان کردہ نکات اور ان سے ماخوذ

نتائج کا جایزہ لیتے ہیں۔

**فن حدیث میں اشتغال کی کمی:** ان مصنّفین کی تالیفات میں رطب ویابس روایات کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان مولفین نے علوم حدیث سے ایسا اشتغال نہیں رکھا جس سے ان میں اصول حدیث کے مطابق، حدیث کے ردوقبول کا ملکہ اوراسے پرکھنے کی قابلیت پیدا ہوجاتی، حتی کہ ہمارے زمانے میں بھی معتدبہ تالیفات اس بات کی مقتضی ہیں کہ ان کے مولفین احادیث کے معاملہ میں محض تحویل (حوالہ دینا) پراکتفانہ کریں، بلکہ حسب ضرورت اس بات کا پورا اطمینان حاصل کریں کہ یہ حدیث معتبر سند سے ثابت ہے۔

**محض حسن ظن کی بناپرروایات پراعتماد:** ان کتابوں میں باطل اور بے اصل روایتوں کے شیوع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان مصنّفین کے نفوس قدسیہ ہر مسلم کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے، اور زبان زدعام روایتوں کو حسن ظن کی بناپر بلاتحقیق قبول کرلیتے تھے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر مولانا عبدالحئیؒ نے لکھا ہے حدیث میں اعتماد کا مدار صرف ماہرین فن ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص صناعت حدیث میں مہارت نہیں رکھتا ہو، تو ایسے شخص پر بلاتحقیق حسن ظن سے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(۶)

**تہاون حدیث پروعید سے ناآشنائی:** ان کتب میں قابل ردمواد کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات تہاون حدیث (یعنی روایت حدیث میں پوری احتیاط سے کام نہ لینا) کی وعیدوں سے واقف نہیں ہوں گے، بلاشبہہ ان حضرات کی علوے شان اسی حسن ظن کی مقتضی ہے، البتہ اس تہاون سے اجتناب کی اہمیت اپنی جگہ ہے، خاص طور پرعوامی حلقوں میں اس کی ضرورت بڑھ جاتی ہے کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد یہ محسوس کررہا ہو کہ میں رسالت مآبؐ کی طرف ایسی بات ہرگز منسوب نہ کروں جو آپؐ سے ثابت نہ ہو، تاکہ من کذب علي متعمداً... کا مصداق بننے سے بچ جاؤں، ورنہ یہی تہاون نہ صرف غیر مستند روایات کو پھیلانے میں کام آتا ہے بلکہ ان روایتوں کو تحفظ بھی فراہم کرتا ہے۔

**تحقیق کا فقدان:** ان تالیفات میں جو احادیث مسند (سندوالی روایات) تھیں، ان میں اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ فن جرح وتعدیل کی روشنی میں اس کا جایزہ لیا جائے تاکہ قابل احتراز روایتیں ظاہر ہوجاتیں۔

**ایک اہم فایدہ:** اگر ہم بھی اپنے گردوپیش کا جایزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ علم الروایہ (علم حدیث) میں ہمارا منتہیٰ صرف سند حدیث پانا ہے، اس کے بعد ہم کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ صاحب کتاب سند بیان کرکے ایک حد تک اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوجاتا ہے، اب اگلا مرحلہ ہم سے متعلق ہے کہ ہم حسب ضرورت متقدمین اصحاب تخریج اور ائمۂ علل کی جانب رجوع کریں اور روایات کے قابل تحمل (روایت لینا) ہونے کا پورا اطمینان حاصل کریں۔

**حاصل کلام:** سابقہ اسباب تکاسل خطہ پاک وہند میں موضوعات کی اشاعت اور ان کی ترویج میں انتہائی موثر رہے ہیں، بلکہ اگر ان اسباب کے سدباب کے لیے اکابر کے طرز پر عملی اقدامات جاری رکھے جائیں تو کافی حد تک اس ساقط الاعتبار ذخیرے کی روک تھام ہوسکتی ہے۔

**من گھڑت اور ساقط الاعتبار روایات کے سدباب میں علمائے پاک وہند کی خدمات:** سابقہ اقتباسات سے ہمیں من گھڑت روایات کی اشاعت میں ملوث بہت سے گروہوں اور طبقات کا بخوبی علم ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ ان کے اغراض، افکار اور طریقۂ کار بھی وضاحت سے سامنے آ گئے، لیکن واضح رہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ عمائد امت نے اس فتنہ کے سدباب کے لیے اپنی خدمات پیش نہ کی ہو، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر پاک وہند پر ایسے شب وروز بھی آئے ہیں، جن میں صیانت حدیث کا تاج علمائے برصغیر کے سر رہا ہے، چنانچہ علامہ الکوثری فرماتے ہیں:

> ”دسویں صدی ہجری کے نصف آخر میں جب کہ علم حدیث کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں، برصغیر میں یہ سرگرمیاں عروج پر تھیں“۔(۷)

گویا یوں کہنا چاہیے کہ اس وقت عالم اسلام کی سربراہی کی سعادت برصغیر کو حاصل رہی ہے، بہرحال یہاں ہم پاک وہند کے ان چند مشہور مشائخ کا مختصر تذکرہ کریں گے، جنہوں نے زبان زدعام و خاص روایات کی حقیقت واضح کی اور ذخیرۂ احادیث میں تنقیح کی خدمات انجام دیں۔

**امام رضی الدین ابوالفضائل الحسن بن محمدؒ (م ۶۵۰ھ):** ان کی تالیفات ”الدرر الملتقط“ اور ”رسالہ موضوعات الصغانی“ کا شمار فن ہذا کے اولین مصادر میں ہوتا ہے۔ مشتہرات پر مشتمل شاید ہی کوئی کتاب موصوف کے اقوال سے خالی ہو۔

**ملک المحدثین علامہ محمد طاہر صدیقی پٹنیؒ (م ۹۸۶ھ):** انہوں نے اس فن میں ”تذکرۃ الموضوعات“

اور ''قانون الموضوعات'' لکھیں، بلاشبہ مشتہرات کا یہ مجموعہ ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔

**امام علامہ سید محمد بن محمد حسینی زبیدی الشہیر بمرتضیٰؒ (م ۱۲۰۵ھ):** انہوں نے ''اتحاف السادۃ المتقین'' میں ''احیاء علوم الدین للغزالی'' کی احادیث پر تخریج و تشریح میں محدثانہ شان کا مظاہرہ کیا ہے، اہل علم طبقہ بالخصوص پاک و ہند میں اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

**امام عبدالعزیز بن احمد فرہارویؒ (م ۱۲۳۹ھ):** انہوں نے بھی تقریباً دو ہزار موضوع اور زبان زد عام روایتوں پر مشتمل مجموعہ تیار کیا ہے، فی الحال یہ مخطوطہ ہے، ان کے بارے میں مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ کہتے ہیں کہ اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین پنجاب کو جب سے وجود بخشا ہے، ان جیسی کسی دوسرے شخصیت نے یہاں جنم نہیں لیا تو میں حانث نہیں ہوں گا۔(۸)

**علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ):** علامہ کی شخصیت اور حدیثی خدمات محتاج تعارف نہیں، اس فن میں انہوں نے ''الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ'' کے نام سے یادگار چھوڑی ہے۔

**حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۲۸۰ھ/۱۳۶۲ھ):** انہیں امراض امت کی پہچان اور اس کے علاج میں وہبی بصیرت حاصل تھی، انہوں نے پاک و ہند میں من گھڑت و بے بنیاد روایتوں کا سد باب عملاً بھی کیا اور عوام کو بھی اس سے اجتناب کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ بہشتی زیور حصہ دہم میں یہ عنوان قائم کیا ہے ''بعضی کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نقصان ہوتا ہے'' اس عنوان کے تحت ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''دعائے گنج العرش، عہد نامہ یہ دونوں کتابیں اور بہت سی ایسی ہی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی دعائیں تو اچھی ہیں، مگر ان میں جو سندیں لکھی ہیں اور ان میں حضرت رسول اللہؐ کے نام سے لمبے چوڑے ثواب لکھے ہیں، وہ بالکل گھڑی ہوئی باتیں ہیں''۔(۹)

اسی طرح مولانا تھانوی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ سلوک و تصوف کی مجالس میں ایک معتدبہ تعداد بے اصل روایتوں کی ہیں، چنانچہ انہوں نے ''**التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف**'' میں ایسی بہت سے روایات پر روایتی اور درایتی پہلوؤں سے بحث کی ہے، جو درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

**ایک اہم اقتباس:** یہ مختصر اور محدود مقالہ اس کی مزید گنجائش رکھنے سے قاصر ہے کہ ہم اکابر پاک و ہند کی متعلقہ موضوع میں تاریخی خدمات سے تفصیلی بحث کریں، البتہ اگر کوئی فرد علامہ عبدالحئی الحسنیؒ کی تصنیف ''نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر'' کو سامنے رکھ کر ان محدثین کرام کی خدمات کو جمع کرے، جنھوں نے باطل اور من گھڑت روایتوں کا تعاقب کیا ہے، تو یہ کام نہ صرف ہمارے اسلاف کے منہج کی جانب رہنمائی کرے گا بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ان مخطوطات کی جانب بھی رہنمائی کرے گا، جو آج دیمک اور گرد و غبار سے تحلیل ہوتے جارہے ہیں، بلاشبہہ نت نئی تحقیقات، شروحات، تسہیلات وغیرہ ناگزیر تالیفات ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج جن مخطوطات کو ہم محفوظ کرسکتے ہیں، کل ان کا نام ''حسرات زمانہ'' کی فہرست میں شامل کردیا جائے۔

---

## حوالہ جات و ماخذ

(۱) الجامع الصحیح للبخاری: باب اثم من کذب علی النبیؐ، ۱/ ۳۳، رقم الحدیث: ۱۰۷، ت: محمد زہیر بن الناصر، دارطرق النجاۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۲ھ۔ (۲) اللاآلی المصنوعۃ: ص ۳۵، ت: محمد عبدالمنعم رائح، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۸ھ۔ (۳) الدرر الملتقط، بحوالہ مجلہ ''فکر و نظر''، ص ۷۶، خصوصی اشاعت، ربیع لاول۔ شعبان ۱۴۲۶ھ، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔ (۴) الآثار المرفوعۃ، ص ۱۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔ (۵) کوثر النبی وزلال حوضہ الروی (فن معرفۃ الموضوعات): ص ۱۰۸، المخطوطہ نسخہ العلامہ عبداللہ الولہاری (۱۲۸۳ھ)۔ (۶) الآثار المرفوعۃ، ص ۱۹، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔ (۷) مقالات الکوثری، ص ۶۷، دارالسلام، مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۸ھ۔ (۸) بغیۃ الکامل السامی فی شرح المحصول والحاصل للجامی، ص ۲۲۷، مکتبۃ مدینہ، لاہور، پاکستان، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۱۴ھ۔ (۹) بہشتی زیور، ص ۴۰۷، حصہ دہم، دارالاشاعت، ایم اے جناح روڈ، اردو بازار، کراچی۔

## استدراک

# ''جہان شبلی''

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

معارف اپریل ۲۰۱۸ء کے شمارہ میں ''جہان شبلی'' کی قسط ہشتم شائع ہوئی ہے جس میں علامہ شبلی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے نو دریافت دو خطوط شامل ہیں۔ ایک صدی گذر جانے کے باوجود علامہ شبلی کی تحریروں کی دریافت کا سلسلہ جاری ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جہان شبلی کس درجہ وسیع ہے۔ راقم سطور گذشتہ ڈیڑھ دہائی سے باقیات شبلی کی جمع و تدوین میں مصروف ہے اور اب تک مکتوبات شبلی، شذرات شبلی، شبلی اور جہان شبلی، مراسلات شبلی اور نوادرات شبلی، قدردانان شبلی کی خدمت میں پیش کرچکا ہے۔ مذکورہ خطوط کی دریافت اور اشاعت سے یقیناً ذخیرہ شبلی میں اضافہ ہوا ہے البتہ اس مضمون میں چند امور تصحیح اور توجہ طلب ہیں۔

جہان شبلی میں شامل دوسرا خط جو منشی محمد امین زبیری (۱۸۷۰-۱۹۵۸ء) کے نام ہے، محمد حمزہ فاروقی کے مضمون ''مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط امین زبیری کے نام'' (مطبوعہ مجلہ اردو، ج ۸۹-۹۰، شمارہ ۴۱، ۲۰۱۳ء) سے نقل کیا گیا ہے۔ محمد حمزہ فاروقی نے اپنے مضمون میں جو تمہید لکھی ہے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے جہان شبلی کے مرتب نے لکھا ہے کہ:

> ''راقم الحروف مولانا شبلی کے خلاف محمد مہدی کے لکھے کسی بھی کتابچے سے لاعلم ہے۔ ''کتابیات شبلی'' میں بھی ایسے کسی کتاب یا رسالے کا مذکور (؟ ذکر) نہیں''۔ (معارف اپریل ۲۰۱۸ء، ص ۲۹۸)

ڈاکٹر شمس بدایونی کی یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ راقم کی مرتب کردہ ''کتابیات شبلی'' میں اس رسالہ کا اندراج موجود ہے۔ ملاحظہ ہو کتابیات شبلی، ص ۷۶، اندراج نمبر ۴۰۲، مطبوعہ دار المصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء۔

---

azmi408@gmail.com

محمد مہدی کا رسالہ ''تذکرہ شمس العلماء مولانا شبلی'' مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلیکشن میں بھی ہے،اس کا عکس راقم کے پاس بھی ہے۔۶۱ر صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بشیر پاشا سیریز کے تحت اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ سے شائع ہوا ہے۔سنہ اشاعت ندارد،البتہ دیباچہ پر ۷ر دسمبر ۱۹۲۵ء کی تاریخ درج ہے۔

محمد حمزہ فاروقی کی یہ رائے بھی صحیح ہے کہ یہ رسالہ منشی محمد امین زبیری ہی کی کوشش کا نتیجہ ہے۔محمد مہدی نے دیباچہ کا آغاز اس طرح کیا ہے:

> ''مولوی محمد امین صاحب کی فرمائش کی تعمیل میں بشیر پاشا سیریز کے لیے اس سے قبل ''تذکرہ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور'' لکھا تھا اور تذکرہ ہذا بھی اسی سلسلہ کے لیے مولوی صاحب ممدوح ہی کی فرمائش سے مرتب کیا گیا ہے''۔
>
> البتہ یہ رسالہ علامہ شبلی کے خلاف نہیں لکھا گیا ہے۔

محمد حمزہ فاروقی نے اپنے مضمون کی تمہید میں امین زبیری کے خطوط شبلی کی تدوین و اشاعت اور ان کے معاندانہ رویے کا ذکر کیا ہے،ڈاکٹر شمس بدایونی نے اس کی تردید کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں اپنے ہی مقدمہ خطوط شبلی کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

> ''ان خطوط کی ترتیب کے وقت مرتبین کی نیت شبلی کی کردارکشی اور بدنامی کی نہ تھی بلکہ ایک عبقری شخصیت کی زندگی کے ایک نئے انوکھے اور کسی حد تک نامعلوم پہلو اور افکار شبلی پر اس کی نشاندہی تھی جیسا کہ دونوں دیباچوں (خطوط شبلی،طبع اول و دوم) کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے''۔(بحوالہ معارف اپریل ۲۰۱۸ء،ص ۲۹۸)

ڈاکٹر خالد ندیم نے اپنی کتاب ''شبلی شکنی کی روایت اور دوسرے مضامین'' (نشریات لاہور ۲۰۱۷ء) میں بھی یہی رائے پیش کی ہے۔ص ۱۹

خطوط شبلی کا مقدمہ منشی امین زبیری نے بابائے اردو مولوی عبدالحق سے لکھوایا جو اس وقت (۲۶-۱۹۲۵ء) علمی حلقوں میں شبلی مخالف سمجھے جاتے تھے،چنانچہ انہوں نے مقدمہ میں بہت سی لایعنی باتوں (اکل کھرے،تنگ مزاج) کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ

> ''مولانا شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے۔زمانہ کے

ہاتھوں سے کوئی نہیں بچ سکتا، وہ بہت سخت مزاج ہے مگر آخری انصاف اسی کے ہاتھ ہے۔ ان کی بعض کتابیں ابھی سے لوگ بھولتے جاتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد صرف کتاب خانوں میں نظر آئیں گی''۔ (خطوط شبلی، طبع اول، ص ۲۶، بھوپال)

اس صریح شبلی شکنی اور اس کی اشاعت کے باوجود منشی امین زبیری کی نیت کو کم از کم صاف قرار دینا قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خطوط شبلی کی اشاعت بالخصوص اس کا مقدمہ شبلی شکنی کا نقطہ آغاز ہے۔ بعد کے ادوار میں منشی امین زبیری نے جو مضامین اور کتابیں لکھیں وہ سب شبلی شکنی کا حصہ ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بعد میں دوسرے اہل قلم نے جو مخالفانہ کتابیں لکھیں اور کردار کشی کے مرتکب ہوئے ان سب کا بنیادی ماخذ بابائے اردو کا مقدمہ اور منشی زبیری ہی کی تحریریں ہیں۔

یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خطوط شبلی کا مقدمہ جس زمانہ (۲۶-۱۹۲۵ء) میں لکھا گیا، حافظ محمود شیرانی کا سلسلہ مضامین تنقید شعر العجم، تین سال پہلے سے جاری تھا اور دو سال بعد تک جاری رہا۔ یہ سلسلہ مضامین خود بابائے اردو کی زیر نگرانی ان کے رسالہ ''اردو'' میں شائع ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود امین زبیری نے مقدمہ لکھنے کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے بجائے بابائے اردو کا انتخاب کیا، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ ان کی نیت صاف تھی۔ ہاں یہ تعجب خیز بات ضرور ہے کہ علامہ شبلی سے منشی امین زبیری کے جس زمانہ میں روابط قائم ہوئے علامہ کی ساری توجہ شعر العجم سے ہٹ کر سیرۃ النبیؐ کی طرف ہو چکی تھی اور وہ یہ عزم کر چکے تھے ''اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا، جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہو سکتی''۔ اور اسی پاکیزہ کام کی تکمیل کے لیے انہوں نے ''محبی'' امین زبیری کو بار بار خطوط لکھے اور بیگم سلطان جہاں کی ''زرافشانی'' سے نہ صرف سیرۃ النبیؐ، سیر الصحابہ بلکہ دوسرے علمی کاموں کی انجام دہی کا خواب دیکھا۔ شبلی کی یہ قومی دردمندی، دل سوزی اور ان کے عظیم الشان علمی، ادبی اور تاریخی کارنامے امین زبیری کو خطوط شبلی کے مقابلہ میں کیوں کر نظر نہیں آئے اور جس طرح انہوں نے کئی ارباب کمال کی سوانح عمریاں لکھیں علامہ شبلی کی سوانح عمری اور ان کے ہمہ جہت کارناموں کا تذکرہ کیوں نہیں لکھا۔ واضح رہے کہ خطوط شبلی کی اشاعت کا اہتمام اس وقت کیا گیا جب علامہ شبلی کی حیات و خدمات پر کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔

# اخبار علمیہ

## ’’قرآن پاک کا ثوبی نسخہ‘‘

احمد آباد کی رہنے والی نسیم اختر نے سوئی دھاگہ کی مدد سے ۳۲ سال میں قرآن پاک کا ایک خوبصورت نسخہ تیار کیا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں انہوں نے یہ صبر آزما اور دقت طلب کام شروع کیا۔ اس میں ۳۰۰ / گز سفید رنگ کا کپڑا، سیاہ اور گلابی رنگ کے دھاگے اور ۲۵ / گز پیپر پٹی کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دس جلدوں پر مشتمل ہے جس کی ہر جلد میں تین تین سپارے ہیں۔ ہر جلد کی لمبائی ۲۲ / انچ اور چوڑائی ۱۵ / انچ ہے۔ مجموعی وزن ۵۵ کلو ہے۔ واضح رہے کہ خاتون نے اس میں کسی اور کی مدد حاصل نہیں کی اور باوضو رہتے ہوئے اسے مکمل کیا۔ (انقلاب، ۳۰ / مارچ ۲۰۱۸ء، ص ۱۴)

---

## ’’بک شیلف کی شکل کی لائبریری‘‘

ترکی کے شمالی صوبہ کارابک میں ایک ایسا کتب خانہ تعمیر کیا گیا ہے، جس کی شکل بک شیلف جیسی ہے۔ فن تعمیر کے لحاظ سے یہ شاہکار اور منفرد ہے۔ کامل گولک (Kamil Gulec) نامی یہ لائبریری کارابک یونیورسٹی میں قائم کی گئی ہے۔ اس میں ۶۰ / ہزار کتابیں مطبوعہ اور ۶۰ / لاکھ سے زائد ڈیجیٹل شکل میں موجود ہیں۔ طلبہ کے لیے کتابیں کچھ عرصہ کے لیے جاری کرنے کا نظم ہے اور ملک کے دیگر کتب خانوں سے کتابیں منگوانے کی سہولت بھی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب علم مطلوبہ کتاب کے لیے انتظامیہ کو اطلاع دے۔ انتظامیہ ملک کے تقریباً دوسو کتب خانوں سے رابطہ کرکے محض تین دن کے اندر کتابوں کو فراہم کراتی ہے۔ لائبریری ہمہ وقت کھلی رہتی ہے۔ اس کے قیام سے اب تک ۴ / لاکھ ۵۰ / ہزار افراد اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ترکی میں ۱۹۶۴ء سے ہر سال مارچ کے آخر میں کتابوں سے تعلق و محبت کے طور پر کتب خانوں کا قومی ہفتہ منانے کی روایت قائم ہے۔

(انقلاب، ۳۱ / مارچ ۲۰۱۸ء، ص ۹ پر تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)

---

## ’’عالمی یوم نور‘‘

یونیسکو نے اپنے حالیہ انتالیسویں اجتماع میں ۱۶ / مئی کی تاریخ کو ’’عالمی یوم نور‘‘ کے طور پر

منانے کا فیصلہ کیا ہے۔اس کا مقصد لوگوں کو مختلف شعبہ ہائے حیات مثلاً ثقافت، سائنس اور پائیدار ترقی پر نور اور مبنی بر نور ٹیکنالوجی کے فوائد سے آگاہ کرانا ہے۔ یہ دراصل ۲۰۱۵ء میں انٹرنیشنل ایئر آف لائٹ (عالمی سال نور) کے طور پر منائے جانے والے یونیسکو کے اعلان کی تکمیل اور اس کی ایک کڑی ہے۔جس میں ۱۴۰ ممالک کے ایک سوملین افراد نے حصہ لیا تھا۔یونیسکو میں عالمی یوم نور کے انعقاد کے لیے گھانا، میکسیکو، نیوزی لینڈ اور روسی اتحاد نے تجویز پیش کی تھی، جس کی تائید یونیسکو کی مجلس عاملہ اور ۲۷ رکن ممالک نے کی تھی۔اس کی ذمہ داری یونیسکو کے ذیلی ادارہ علمی بنیادی سائنس پروگرام نے سنبھال رکھی ہے، جس کو مجموعی طور پر ایک کمیٹی چلاتی ہے، جس میں مختلف عالمی حکومتی ادارے شامل ہیں۔اس پروگرام کے تحت عالمی سطح پر طلبہ، نوجوانوں اور عام لوگوں کو نور کے منافع، فوائد اور کردار سے واقف کرانے کے لیے رکن ممالک میں مئی ۲۰۱۸ء میں پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔۱۶؍مئی کو اس سلسلہ کا ایک پروگرام فرانس کے شہر پیرس میں منعقد ہوگا، جس میں مختلف ملکوں کے نمایندے شریک ہوں گے۔(ماہنامہ اردو سائنس، نئی دہلی، ص ۵۵، اپریل ۲۰۱۸ء)

---

## ''نطفہ کو خلا میں چھوڑ کر رد عمل جاننے کا عزم''

مختلف خلائی تحقیقاتی ادارے اب تک نہ جانے کیسی کیسی عجیب وغریب چیزیں خلا میں بھیج چکے ہیں، مگر یہ تمام اشیا کشش ارضی سے نکل کر خلا کی لامحدود وسعتوں میں گم ہوگئیں۔خبر ہے کہ امریکی خلائی تحقیقاتی ادارہ ناسا نے انسانی مادۂ تولید خلا میں چھوڑنے کا منصوبہ اس مقصد سے بنایا ہے کہ مائیکرو گریویٹی میں انسانی نطفہ کے رد عمل سے واقف ہونے کی راہ ہموار ہوسکے اور یہ پتہ چل سکے کہ نسل انسانی کی افزائش خلا میں ممکن ہے یا نہیں۔مائیکرو ۱۱ نامی تجربہ ناسا کا نیا کارنامہ ہے، جس میں نطفوں کے منجمد نمونے خلا میں چھوڑ دیے جائیں گے۔اس تجربہ کے پیچھے یونیورسٹی آف کینساس میڈیکل سینٹر کا دماغ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مادۂ تولید پر مائیکرو گریویٹی کے اثرات سے متعلق انسانی معلومات نہایت محدود ہیں۔یہ تجربہ اسی کمی کی تلافی کی کوشش ہے۔وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خلا سے واپسی کے بعد اس کی ماہیت کیسی ہوگی اور کیا وہ زندہ رہ پائیں گے؟ اس سے قبل بیل اور دیگر ممالیہ جانوروں کے اسپرم سے متعلق کیے گئے تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مائیکرو گریویٹی میں تو اسپرم متحرک تھا تاہم اس کے بعد کے عمل میں وہ

انتہائی سست اور غیر فعال تھا۔اس تحقیق سے وابستہ جوزف تاش کا یہ اہم بیان بھی رپورٹ میں درج ہے کہ ”جب ہم خلا سے بھی دور چاند، مریخ اور دیگر اجرام فلکی پر جانے اور آباد ہونے کے متعلق سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال آتا ہے کہ کیا ہم وہاں اپنی نسل بڑھا پائیں گے۔ ہمیں اس کا جواب ضرور درکار ہے“۔ (تفصیل سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ۱۹/اپریل ۲۰۱۸ء، ص ۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

---

## ”صحرائے صحارا کی وسعت پر نئی تحقیق“

صحرائے صحارا دنیا کا سب سے گرم اور ۳۶ لاکھ مربع کیلومیٹر پر مشتمل سب سے بڑا صحرا ہے۔ براعظم افریقہ میں الجیریا، چاڈ، مصر، لیبیا، مالی، ماریطانیہ، نائیجیریا، سوڈان اور تونس کے وسیع علاقوں پر مشتمل یہ صحرا مزید وسعت اختیار کررہا ہے۔امریکہ کی میری لینڈ یونیورسٹی سے منسلک سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق گذشتہ صدی کے دوران اس کا رقبہ دس فیصد بڑھ گیا ہے۔ دوران تحقیق انھوں نے ۱۹۲۰ء سے ۲۰۱۳ء کے درمیان افریقہ میں ہونے والی بارشوں سے متعلق ڈیٹا کا تجزیہ کیا تو پتہ چلا کہ اس سے متصل سرحدی علاقوں میں بارش کی اوسط بتدریج گھٹتی چلی گئی، جن علاقوں میں سالانہ ایک سو ملی میٹر (۴/انچ) سے کم بارش ہوتی ہے، اس کا شمار صحرا میں ہوتا ہے۔اطراف صحارا کے بیشتر خطوں میں بارش کا تناسب اس حد سے نیچے چلا گیا ہے اور یہ تمام علاقہ صحارا میں شامل ہوگیا۔صحارا کی وسعت میں سب سے زیادہ اضافہ موسم گرما میں دیکھا گیا، ۹۳ سالوں کے دوران گرمیوں کے موسم میں صحرا کا رقبہ ۱۶ فیصد کی شرح سے بڑھتا رہا۔ محققین نے اس کا سبب موسمی تغیرات کو جنم دینے والی انسانی اور قدرتی سرگرمیوں کو قرار دیا ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ گلوبل وارمنگ کے نتیجہ میں ہونے والی موسمی تبدیلی کے سبب دیگر صحراؤں کے رقبے بھی یقیناً وسیع ہورہے ہوں گے۔ یہ صورت حال تشویش ناک ہے، اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو پھر کرۂ ارض پر حیاتیاتی اور انسانی بقا مشکل ہوجائے گی۔(تفصیل ۱۸/اپریل ۲۰۱۸ء کے انقلاب، ص ۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

ک، ص اصلاحی

## آثار علمیہ و تاریخیہ

# مولانا سید سلیمان ندویؒ کے فارسی مکتوب کا عکس

اشتیاق احمد ظلی

مارچ کے شمارے میں مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب نے ''علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک نادر فارسی مکتوب'' شائع کیا تھا اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید یہ خط مشہور مستشرق ایڈورڈ براؤن کو لکھا گیا تھا۔ اپریل کے شمارے میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب نے خط کے محتویات کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ اس کے مکتوب الیہ براؤن کے بجائے ممتاز افغان شاعر سرور خاں گویا ہیں۔ انہوں نے خط کا زمانہ تحریر بھی جولائی یا اگست ۱۹۳۶ء متعین کیا۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ معارف میں ''آثار علمیہ'' کے باب میں جو اہم خطوط شائع ہوں ان کا عکس بھی چھاپنے کا اہتمام کیا جائے۔

مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب نے لکھا تھا کہ سید صاحب کا یہ نادر خط دارالمصنّفین میں محفوظ ہے۔ افسوس کہ یہ دارالمصنّفین کے ذخیرۂ مکاتیب میں دستیاب نہیں ہوسکا۔ چنانچہ ان سے گذارش کی گئی کہ جو عکس ان کے پاس محفوظ ہے اسے ارسال فرمادیں۔ ان کے مرسلہ عکس کو دارالمصنّفین کے کمپیوٹر کے شعبہ میں حتی الامکان صاف کرنے کی کوشش کی گئی اور اب یہ ہدیہ ناظرین ہے۔

خط دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسودہ ہے۔ تیسرے پیراگراف کے بعد معمول سے زیادہ جگہ خالی چھوڑی گئی ہے تاکہ بعد میں اضافہ کی گنجائش موجود رہے۔ تین جگہوں پر ایک ایک لفظ کاٹ کر اس کے اوپر دوسرا لفظ لکھا گیا ہے۔ ایک جگہ پورا جملہ قلم زد کردیا گیا ہے۔

خط کا جو عکس ہمارے سامنے ہے اس میں کہیں کہیں بعض الفاظ کے ایک دو حروف دکھائی نہیں دے رہے ہیں تاہم بحیثیت مجموعی ان کی خواندگی مشکل نہیں۔

مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب نے اس خط کی جو نقل مارچ کے شمارے میں شائع کی ہے اس

کا مقابلہ اس عکس سے کیا گیا تو خط کے مضمون کے ساتھ اصل خط کے عکس کو چھاپنے کی ضرورت اور اہمیت کا شدت سے احساس ہوا۔ ان کی نقل میں خط کے متن میں پانچ مقامات پر ایک ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ ایک جگہ پورا جملہ رہ گیا ہے۔ خط کی پیشانی پر دفتر دارالمصنّفین اعظم گڈھ چھپا ہوا ہے وہ بھی رہ گیا ہے۔ ایک نہایت اہم چیز جو کسی وجہ سے نظر انداز ہوگئی وہ خط کی تاریخ ۶؍ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ ہے جو سید صاحب نے خط کے آخر میں اپنے دستخط کے نیچے لکھی ہے اور عکس میں واضح ہے۔

یہ تاریخ دوشنبہ ۲۴؍ اگست ۱۹۳۶ کے مطابق ہے۔ پروفیسر براؤن کا انتقال ۱۹۲۶ میں ہو چکا تھا اس لیے ان کے مکتوب الیہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے خلاف متن میں جو اندرونی شہادتیں ہیں ان کا ذکر ڈاکٹر اجمل صاحب نے تفصیل سے کیا ہے۔ خط کے آخر میں سید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ مکتوب الیہ کا ذکرِ جمیل معارف میں آئے گا۔ خط کی تاریخ پیش نظر رہی ہوتی اور مولوی طلحہ صاحب ستمبر ۱۹۳۶ کا معارف دیکھتے تو شذرات میں انہیں مکتوب الیہ کا تذکرہ مل جاتا اور یہ عقدہ بآسانی حل ہو جاتا۔ ڈاکٹر محمد اجمل صاحب کو بھی تاریخ کے تعین کے سلسلہ میں اتنی کوہ کنی نہ کرنی پڑتی۔

یہاں خط کی جو نقل شائع کی جا رہی ہے اس میں خط کشیدہ ٹکڑے وہ ہیں جو مولوی طلحہ صاحب کی نقل میں نظر انداز ہو گئے تھے۔ بعض جگہ خواندگی میں جو تسامح ہو گیا تھا اسے درست کر دیا گیا ہے خاص طور سے حافظ کا یہ مصرعہ:

حقۂ مہر بدان نام و نشان است کہ بود

مولوی طلحہ صاحب کی قرأت میں ''بدان'' کو ''بدون'' لکھا گیا ہے جس سے شعر کا مفہوم خبط ہو گیا تھا۔ یہ مصرعہ ثانی ہے۔ اس کا مصرعہ اول یہ ہے:

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمان است کہ بود

بعض الفاظ کی قرأت پوری طرح اطمینان بخش نہیں ہے۔ ان کے سامنے سوالیہ نشان لگا دیا گیا ہے۔

ہم مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ ان کی توجہ سے سید صاحب کا یہ مکتوب گرامی معارف میں شائع ہوا اور انہی کی عنایت سے یہ عکس بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دفترِ دار المصنّفین اعظم گڑھ

نمبر مورخہ

محبّ یگانۂ من سلامت باکرامت باشند

تحیت و تسلیم نیازمندانہ قبول فرمایند۔

این یکے از حسن مصادفات است کہ از ان سو مکتوب گرامی شما بحرکت آمد و ازین سو نیاز نامۂ من بخدمت شما راہی (؟) شد۔ یادآوری را سپاس می گذارم، و این کہ فرمودہ اید کہ بعد از سفرا یران دو مکتوب گران مایہ بمن فرستادہ اید، بندہ یکے ازین دو ہم نائل نشد، استغفر اللہ کہ من سرکار شما را فراموش کنم و یادِ آں عنایاتِ صمیمانۂ شما را از لوح دل محو کنم۔

حقۂ مہر بدان نام و نشان است کہ بود

پیغامیکہ بہ پروفیسور حمید اللہ دادہ بودید، رسید و کتاب خیام بخدمت گرامی شما ارسال کردہ شد، امید کہ رسیدہ باشد، اکنون کتابِ سیرۃ عائشہؓ ارسال می کنم۔

نسخۂ دیگر کتابِ خیام بعقب ارسال خواہم کرد۔ چون من در عنفوانِ شباب بودم، یکے مقالۂ من زیر طبع بود۔ سہ چار بار اتفاق حک و اصلاح شد، ناچار صاحب مطبع سرخر (؟) شد، و گفت و چہ خوش گفت: اے مصنفِ تازہ! غم مخور کہ ہیچ مصنف را بزندگیش کتاب کامل و صحیح طبع نشد۔ برہمین منوال می گویم کہ کتاب خیام پس از چندین سال ناقص شد و حاجت حک و اصلاح افتاد۔ چون جناب شما می خواہید کہ عیب بندۂ خویش را بکشور دور دور عرضہ نمایید (؟)، می خواہیم کہ تا توانیم بر عیب خویش پردۂ بیفگنیم، انشاء اللہ نسخۂ مصححہ بنظر ثانی پس از حک و اصلاح بخدمت گرامی شما ارسال کنیم۔

جناب شما را بہ ترجمہ ایں کتاب اجازت کلّی حاصل است۔

نامہ ہائے حکیم سنائی کہ بدریافت آنہا شما موفق شدہ اید، اہمیت بزرگ دارد۔ بر جہانِ فارسی منتِ بے اندازہ کردید، ذکرِ جمیلِ شما بزبان معارف خواہد آمد۔

والسلام

مخلص شما

سلیمان

۶ ج ۲ سنہ ۱۳۵۵ھ

## معارف کی ڈاک

# تاریخ یا افسانہ؟

۲۸/ ۳/ ۲۰۱۸ء
وھٹبی ، اونٹاریو، کینیڈا

مکرمی و محترمی اشتیاق احمد ظلی صاحب

سلام مسنون نیاز مقرون۔ مہینہ نکل گیا آپ کا خط مجھ پر ادھار رہا۔ اس اثناء میں معارف کا نیا شمارہ بھی آ گیا، بلکہ اب تو تیسرا شمارہ آنے والا ہوگا۔ فروری ۲۰۱۸ء کے شذرات پر کچھ عرض کرنا چاہتا تھا، مگر کچھ ایسی قلمی مصروفیات آڑے آئیں کہ بات ٹلتی گئی۔ قلم کا ذکر بھی اب بطور محاورہ رہ گیا ہے ورنہ اس بے کاغذ سماج (paper-less society) میں قلم، قرطاس اور لوح جیسے الفاظ ہماری رواں ثقافتی زندگی میں معنی کھو چکے ہیں۔ نئی نسلیں اس روایت ہی سے بے بہرہ ہوتی جاتی ہیں جو انہیں تقدیر و تحریر اور لقاء معراج سے ذہنی طور پر مربوط کرتی تھی۔ بے شک آپ جیسے اہل علم

درمیان قعر دریا تختہ بندی کردہ اید

دیکھیے یہ سفینہ کتنی دور ساتھ دیتا ہے۔ اللہ آپ کی مساعی کو کامیاب کرے اور آپ کو دارین میں جزائے خیر دے۔ مگر کیا یہی بات میں ملک محمد جائسی (اور امتیاز علی تاج) کے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں؟ شاید نہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

پدماوت اور انارکلی فرضی کہانیاں ہیں۔ بے شک دونوں جھوٹ، فریب، کذب، افترا کے پلندے ہیں۔ قلم کار کے زرخیز ذہن کی پیداوار۔ مگر کیا وہ ذہن واقعی زرخیز تھے؟ افسانے لکھنے تھے تو افسانوں کی طرح لکھنے میں کیا شے مانع تھی کہ انہوں نے دانستہ تاریخی شخصیات کو بیہودہ افسانوی مفروضات کی بھینٹ چڑھا دیا، دامن تاریخ کو داغدار کر دیا اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کو تذلیل و تمسخر کا شکار بنا دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، انہی بے اصل مفروضات کے بنائے ہوئے جدید مسلم ذہن آج برملا وہ باتیں کہہ رہے ہیں جن پر دس بیس پچاس سال بعد فلمیں بنیں تو صورت حال آج کے سانحہ سے زیادہ اندوہناک اور ذلت انگیز ہوگی۔ اللھم احفظنا۔

ایک پاکستانی ٹیلی ویژن کے ''سینئر تجزیہ کار'' ہیں حسن نثار صاحب۔ ان کی روزانہ نشر ہونے والی ٹیلی وائی تقاریر سنیے تو یقین ہوتا ہے کہ قطب الدین ایبک سے بہادر شاہ ظفر تک جتنے بھی مسلمان ہندوستان

کے حکمراں ہوئے ہیں وہ سب انتہائی جاہل، ملت فراموش، مسلمانوں اور باقی ملک میں جہالت، غربت و افلاس پھیلانے والے خودغرض عیاش بادشاہ تھے۔ دانشوری کے اسی قبیلہ کے ایک اور مقابلتاً اسلامی ذہن رکھنے والے ''سینئر تجزیہ کار'' صحافی ہیں جاوید چودھری صاحب جنھوں نے کچھ عرصہ قبل اپنے ایک پاکستانی اخباری تجزیہ میں قوم کو مطلع فرمایا تھا کہ شاہ جہاں قومی خزانہ کو تاج محل جیسی عمارتوں پر ضائع کرنے کا مجرم تھا (غالباً سزائے موت کا مستحق تھا)، اور اسے توفیق نہ ہوئی کہ ہندوستان میں (آکسفورڈ کی طرح کی نہ سہی) سرسید کے انداز کی ایک یونیورسٹی قائم کردیتا۔

ان دانشوروں کے پاس (جائسی اور تاج کی مانند) تختے بھی نہیں ہیں کہ ڈوبتے سفینے کو بچانے کی سعی کریں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مگر ان دانشوروں کو چند حقائق کا علم نہیں ہے۔ ایک یہ کہ تاج محل، جامع مسجد دہلی، لال قلعہ دہلی، چاندنی چوک دریا گنج کی تمام حویلیوں وغیرہ کے آرکیٹیکٹ، انجینئر، مستری اور مزدور کوئی بھی آکسفورڈ اور کیمبرج کا گریجویٹ نہیں تھا۔ سب اتفاق اور بدقسمتی سے مسلمان تھے اور ہندوستانی تھے اور مولویوں کے مدرسوں کے پڑھے ہوئے تھے جنھوں نے مہرولی کا قطب مینار، ٹھٹہ کی عجوبۂ روزگار مسجد، احمد آباد کے مسجد مینار لرزاں، حیدرآباد کا چار مینار، بیجاپور کا گول گنبد جیسی ہزاروں یادگار عمارتیں تاریخ وتہذیب کے حوالہ کردی تھیں۔ اس سے بحث نہیں کہ شاہ جہاں کے زمانۂ حکومت (۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) میں آکسفورڈ اور کیمبرج ویسے نہیں تھے جن میں خود سے برگشتہ ہندستانی اشرافیہ بصد شوق پڑھنے جاتے اور بصد عزت ہندستان واپس آتے تھے اور آکر ملک کا بٹوارہ کردیتے۔ غم کی بات یہ ہے اسلام میں علم کی فرضیت کا اعلان تھے، قوم نے اس سے علم میں مفروضیت کا نکتہ پیدا فرمادیا۔ ایک ارسطوئے ثانی نے فرمایا تھا کہ شاہ ولی اللہ کو حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابوں پر وقت ضائع کرنے کے بجائے چاہیے تھا کہ انگلستان جاتے اور دیکھتے کہ وہ قوم ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل کیوں بن گئی۔ شاید سب سے بڑا سچ یہی ہے کہ شاہ جہاں آباد کی تعمیر کرنے والے جاہل ہندوستانی مسلمانوں کو آکسفورڈ وغیرہ کی ڈگری حاصل کرنے کا خیال تک نہ آیا کہ دنیا میں کوئی اچھا کام کرسکتے۔

دوسری بات جو جدید دانشوروں کے علم میں نہیں ہے یہ کہ دہلی کی شاہ جہانی مسجد سے ملحقہ یونیورسٹی کا نام دارالبقا تھا جس کے آخری وائس چانسلر یا ڈین مرزا صدرالدین آزردہ تھے جن سے مولانا رشید احمد گنگوہی نے صحاح ستہ کے سوا دیگر کتب حدیث کی سماعت کی تھی اور سند لی تھی (محمد طارق الانصاری غازی۔ تذکار الانصار۔ ص ۲۸۸ اور ۳۰۲)۔ اس یونیورسٹی کو ۱۸۵۷ء میں زمیں بوس کردیا گیا تھا۔

تیسری بات یہ کہ انگریز مورخین (مثلاً ایڈورڈ تھومپسن : دی ادر سائڈ آف دی میڈل ۔ The Other Side of the Medal)اور ہندو مورخین (مثلاً راجہ شیو پرشاد۔ اتہاس تمرناشک/ آئینہ تاریخ نما) کے مطابق ۱۸۵۷ء میں ۲۴،۰۰۰ سے ۴۴،۰۰۰ تک علمائے اسلام قتل کیے گئے تھے اور دہلی اور نواح میں ایک لاکھ سے زیادہ عمارتیں منہدم کی گئی تھی جن میں اس خطہ کے تمام مدارس (برطانوی اصطلاح میں کالج اور یونیورسٹیاں) بھی شامل تھیں۔ ظاہر ہے نہ پڑھانے والے رہے نہ تعلیم کے ادارے تو قوم کا کیا حال ہونا تھا۔ یہ صورت حال بنی تو ایک اسطورہ سچ بنا کر پیش کیا گیا کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے برصغیر میں ایک جاہل محض قوم رہتی تھی اور تاریخ میں پہلی بار یہاں علم کا رواج انگریزوں کے آنے کے بعد پڑا۔

اس طویل جملۂ معترضہ کا مقصد یہ ہے کہ آج کے دانشور بھی ملک محمد جائسی اور امتیاز علی تاج کی طرح تاریخ کو فسانہ بنانے میں مشغول ہیں اور کون جانے آنے والی نسلوں کو ان کی اسطورہ طرازیوں کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ الامان الحفیظ۔

آگ کی بارش ہو رہی ہے تو آگ بھی تو ہماری ہی لگائی ہوئی ہے۔ ابر باراں کی دعا بھی کی جائے اور اس کے ساتھ جتنی ہمت ہے اس حد تک لوگوں تک حق پہنچانے کی کوشش جائے۔

کوئی سنے نہ سنے انقلاب کی آواز
پکارنے کی حدوں تک تو ہم پکار آئے

اسی مد میں ایک مضمون نما عبارت حاضر کر رہا ہوں۔ اگر کسی قابل ہے تو اس کا ثواب آپ کو ملے گا، کیونکہ یہ تحریر آپ کے شذرات کے ذیل ہی میں مرتب ہوئی ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام مع الاکرام۔ طالب خیر و دعا

محمد طارق غازی

## مولانا سید سلیمان ندوی چند گزارشات

استھانواں، بہار

محترمی مدیر معارف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ اپریل کے شمارہ میں جناب مولانا اجمل ایوب اصلاحی صاحب کا مکتوب نظر سے گزرا اور اس سے استفادہ کا موقع ملا، ان کے اس علمی افادہ کا ممنون ہوں۔ اس خط کا عکس ارسال

کر چکا ہوں اگر مناسب سمجھیں تو ان کے مشورہ کے مطابق آیندہ شمارہ میں شائع کردیں، حیرت ہے کہ وہ مکتوب، ذخیرہ دارالمصنّفین میں نہیں ملا حالانکہ میں نے اس کا عکس وہیں سے لیا تھا۔اس مکتوب کے علاوہ سید صاحب کے نام جو ممتاز اہل علم کے مکاتیب ہیں خصوصاً عربی، فارسی اور انگریزی کے مکاتیب جو بیرون ہند کے فضلاء کی جانب سے ارسال کیے گئے ان کی عکسی اشاعت بھی مفید ہوگی یا ان عکسوں کا کوئی مجموعہ ہی شائع ہوجائے۔

سید صاحب کی تصانیف کے سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنی تھی کہ انہوں نے اپنی بعض تصانیف پر کراچی کے دوران قیام نظر ثانی اوران میں حذف واضافہ کیا تھا، مصنف کی نظر ثانی کے بعد سابقہ ایڈیشن کو منسوخ سمجھا جاتا ہے لیکن کم ازکم میرے علم میں سید صاحب کی دو کتابوں کے پہلے ایڈیشن ہی اب تک دارالمصنّفین سے شائع ہورہے ہیں۔پہلی کتاب رسالہ اہل سنت والجماعت ہے، سید صاحب نے آخری ایڈیشن میں کئی جگہ حذف و اضافہ کیا ہے اور مولانا غلام محمد صاحب کے مقدمہ کے ساتھ کراچی سے یہی ایڈیشن شائع ہورہا ہے جس میں بہت سے مباحث نئے ہیں جو پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں۔دوسری کتاب نقوش سلیمانی ہے جس میں کراچی کے ایڈیشن میں سید صاحب کا طویل مقدمہ ہے اور مقدمات کا باب شامل نہیں۔شذرات سلیمانی میں اگر الندوہ (۱۹۴۰) کے سید صاحب کے چند شذرات بھی آیندہ ایڈیشن میں شامل کرلیے جائیں تو بہتر ہوگا۔

دارالمصنّفین کی کتابوں کے املا کے سلسلہ میں گذارش ہے کہ اس نے املا کے سلسلہ میں جناب رشید حسن خان صاحب کے چند سفارشات کو قبول کرتے ہوئے اعلی ادنی جیسے الفاظ کا املا یا کے بجائے الف سے اعلا اور ادنا لکھنا شروع کیا ہے، لیکن دیگر ماہرین املا کو جناب رشید حسن خان صاحب کی ان سفارشات سے اتفاق نہیں ہے۔خود اردو بیورو دہلی نے بھی ان کی آراء کو مسترد کردیا تھا اور آج بھی عام کتابوں میں مروجہ املا ہی نظر آتا ہے اور اردو کے ماہرین اسی کو ترجیح دیتے ہیں، پھر معلوم نہیں دارالمصنّفین نے ان کی سفارشات کیوں کر قبول کرلیں، سید صاحب نے اپنی تحریروں میں املا کی تسہیل کی طرف جو توجہ دلائی تھی وہ ملک کی تقسیم سے قبل اور ملک کو اس سے محفوظ رکھنے کے پیش نظر تھا تا کہ اردو اور ہندی کا بعد ختم ہو اور دونوں زبانیں ایک دوسرے سے قریب ہوسکیں۔لیکن اب جبکہ ملک تقسیم ہوچکا شاید املا کی تسہیل کی اس قدر ضرورت نہیں جس سے اردو کی روح متاثر ہوجائے۔

والسلام

(مولوی) طلحہ نعمت ندوی

# باب التقریظ والانتقاد

## تحریر "بے عدیل"

مرتب ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی

متوسط سے قدرے بڑی تقطیع، سولہ سو صفحات پر مشتمل، مجلد مع گرد پوش کی یہ کتاب اپنی ضخامت، جامعیت اور افادیت، ہر لحاظ سے واقعی اسم با مسمیٰ ہے بلکہ یہ "کتاب بے عدیل" کہی جانے کی بجا طور پر مستحق ہے۔ کہا گیا کہ یہ قاضی عدیل عباسی مرحوم کی پچاس سال کی تحریروں کا انتخاب ہے، لیکن اس انتخاب میں جس دیدہ ریزی، پھر اس کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، طباعت، اشاعت میں جن جاں گداز مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا، اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔

قاضی عدیل عباسی مرحوم، صحافی تھے، تحریک خلافت میں شامل ہی نہیں اس کے رکن رکین تھے، مسلم یونیورسٹی اور اردو کی محبت میں سرشار تھے، سیاست کے میدان کے مردان کار میں تھے، لیکن سب سے بڑھ کر وہ ملی حمیت اور ملک میں شریعت کے تحفظ کے اس جذبہ سے معمور تھے جس کی مثالیں اور روشن مثالیں کم ہی ملتی ہیں اور جس کا سب سے بڑا ثبوت ملک کی آزادی کے بعد، انتہائی نامساعد حالات میں مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے ان کی بے مثال جدوجہد ہے، فرزانگی کے ساتھ دیوانگی کے ایسے امتزاج کا نہایت خوش گوار مشاہدہ، ملت کی قسمت میں کم ہی آتا ہے۔

قاضی صاحب مرحوم نے اس سال اس دنیا میں آنکھیں کھولیں جس سال سرسید نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں، یہ تو محض اتفاق ہے لیکن بعض اتفاقات اپنے دامن میں ایسی داستانیں چھپائے رکھتے ہیں کہ داستانوں کا سلسلہ قائم کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ دیکھنے اور سننے والوں کے لیے آسانی ہوتی ہے کہ ایک باب ختم ہونے پر دوسرے باب کی ابتدا، نامانوس نہیں رہ جاتی، استعجاب نہیں رہ جاتا کہ ایک نے ملت کے مصائب ومسائل کا حل، غاصب اور استعماری یلغار میں کس طرح تلاش کیا تو دوسرے نے اپنی ہی حکومت اور آزاد فضا میں حقیقی آزادی کی راہ ہموار کرنے میں کس طرح جسم وجاں کی قربانی پیش کی۔

تحریر بے عدیل دراصل حریت بے عدیل کی داستان ہے، ایسی داستان جس میں مرکزی کردار

دراصل ایک امت ایک قوم کا کردار ہے، کیسا عجب معاملہ ہے کہ محض بائیس چوبیس سال کا نوخیز نوجوان ایک باجبروت طاقت کے سامنے اس جرأت سے آوازۂ حق بلند کررہا ہو کہ اہل ہند کو کون سلطنت برطانیہ سے ملحق رہنے پر مجبور کرسکتا ہے اور اسے ایسا کرنے کا کیا حق ہے؟ کیا صرف اس لیے کہ اس نے قلیل مدت میں ہم سے آلات حرب چھین کر ہمیں صنف نازک سے زیادہ بزدل کرکے ہمارے قلوب سے عصبیت و آزادی کے تمام جذبات کھینچ لیے...... وہ کیا چیز ہے جو ہمیں حکومت برطانیہ سے ملحق رہنے پر مجبور کررہی ہے؟

نوجوانی کے ان جذبات کو صرف عمر کا جوش اور اُبال اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں ارتقاء بھی ہے اور استحکام بھی، ۱۹۳۰ء میں یعنی قریب تیس سال کی عمر میں اس ارتقائے فکر و جوش کا مشاہدہ اس جملہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ”کیا موت کا تصور، حیات بعد ممات کا استغراق اس قابل نہیں کہ اس کے واسطے وقت نکالا جائے، ۱۹۳۸ء میں فکر و نظر کی رفعتوں کا اصل مقام بھی سامنے آگیا کہ ”میری زندگی کے دو بڑے نصب العین ہیں، خدمت اسلام و خدمت حریت“ وجہ بھی واضح تھی کہ ”ایک کا تعلق عام انسانی برادری سے ہے اور دوسرے کا تعلق وطن یا ہندوستان سے ہے، بحیثیت ایک مسلم، میرا یہ ناقابل تسخیر عقیدہ ہے کہ اصول اسلام کے اندر نہ صرف ارواح انسانی کی نجات مضمر ہے بلکہ دنیا کے تمام مشکل مسائل کا حل موجود ہے، تمام دیگر مذاہب کی طرح مذہب اسلام کا بھی ایک عظیم کلچر ہے جس کے بغیر میرے عقیدہ میں انسانیت بحیثیت انسانیت زندہ نہیں رہ سکتی..... آزادی وطن، فرائض اسلامیہ کا ایک جزو ہے اور غلامی حرام مطلق ہے“۔

علی گڑھ کی تعلیم اور حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے فیوض سے آراستہ، قاضی عدیل عباسی کی شخصیت اور ان کے افکار و خدمات کی اہمیت و معنویت کے باوجود اگر یہ احساس عام ہے کہ ان کی قدر و قیمت کے تعین میں کمی رہی تو یہ احساس حق بجانب ہے، زیر نظر کتاب جہاں اس کمی کی تلافی کرتی ہے وہیں اس احساس کی اذیت میں شدت بھی پیدا کرتی ہے۔ اور ایک دستک بھی ذہن و دل کے دروازے پر دے جاتی ہے کہ امت نے جرأت کردار اور لذت گفتار کی ایسی قابل تقلید مثالوں سے بے توجہی کیوں برتی؟

کچھ تو سوال تھے جن کے جواب کے لیے فاضل مرتب نے اس بار عظیم کو اپنے شانوں پر لیا، باب پر باب قائم کیے، شخصیت، یاد ایام سلف، دینی تعلیمی کونسل، اردو، مسلم یونیورسٹی، مسلم پرسنل لا، سفرنامہ حج، رویت ہلال، تاریخ ترکی، تحریک خلافت گویا ایک صدی کی ملکی و ملی تاریخ مرتب ہوگئی۔ ترتیب کا سلیقہ اسی سے ظاہر ہے کہ شخصیت و خدمات کا ابتدائیہ وہ حرف اقبال ہے، جس میں غیرت جبرئیل، صور اسرافیل،

نشاط رحیل، تیغ اصیل، حجاب دلیل، شعلہ نوا، قندیل کی تلمیحوں اور استعاروں میں پوشیدہ قاضی عدیل کی یافت کے صریح وواضح اشارے ہیں۔

اس باب کے جتنے مضامین ہیں سب ان ہی اشاروں کی تفسیر ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مضمون کی ابتدا ہی پوری شخصیت کا آئینہ ہے کہ ''قاضی صاحب ہمارے اس عہد کے باکمال افراد میں تھے جنہوں نے اس عہد اور تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں علم وعمل، قول وفعل، دین وسیاست، جدید وقدیم اور تقریر وتحریر کی وہ متضاد صلاحیتیں جمع کر دی تھیں جو اسی دور کے نہیں بلکہ ہر دور کے اکثر باکمال افراد میں متفرق ومنتشر ہوتی ہیں..... ایک نہایت غیور اور باحمیت مسلمان جو دین کا درد اور ملت کی ایسی فکر رکھتا تھا جو دل ودماغ اور اعصاب پر حاوی تھی''۔ درد وفکر یہی تو متاع مومن ہے اور لگتا ہے کہ یہ متاع بے بہا قاضی صاحب کو ازل سے ودیعت ہوئی، خلافت تحریک میں ان کی شمولیت گویا ان کے کاروان درد کی پہلی منزل تھی، زاد راہ وہی سرسید کی نظر وفکر وعمل، ایک تحریر مسلمانوں کی روحانی اذیت کے اسباب کے عنوان سے ہے، افغانی اور مولانا محمود حسن، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، محمد علی جوہر سب کا ذکر ہے لیکن ۱۸۵۷ کے بعد سرسید کی شخصیت کے لیے عظمت کا لفظ ان کی زبان پر آیا تو اس لیے کہ وہ عہد آفریں تھے، ان کی نظر میں یہ عہد آفرینی کی صلاحیت سرسید کی روشن ضمیری اور دانائی میں مضمر تھی، قوم کو ہمت دلانا، عمل کے لیے آمادہ کرنا اور سب سے بڑھ کر ناامیدی کے اندھیروں میں امید کا چراغ جلانا یہ وہ اوصاف ہیں جن کی بنیاد پر کسی فرد کے خاص اور عظیم ہونے کا فیصلہ کیا جانا چاہیے، اس کے باوجود مذہبی معاملات میں قاضی صاحب کی عقیدت مندی، حق بیانی کے آڑے نہیں آئی، سیاست اور مذہب دونوں میں سرسید کی مرعوبیت کی نشان دہی بھی انہوں نے بدلائل کی۔ یہی حال مولانا محمد علی جوہر کے ذکر میں ہے، ان کی بعض کمزوریاں ان کی نگاہ میں آئیں اور قلم سے ظاہر ہوئیں، لیکن جب بعض مالی معاملات میں کچھ لوگوں نے الزامات لگائے تو انہوں نے صاف لکھا کہ ''جس طرح یہ حساب مرتب ہوا اور جتنی صفائی علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا محمد علی کی جانب سے دی، وہ قوم کی پست اخلاقی اور ایک عظیم خادم قوم کی جو بے وقری ہے اس کو بیان کرنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے، علامہ سید سلیمان ندوی کے بیان اور تمام تفصیلی حساب مرتب ہونے کے بعد شرپسندوں کے منہ پر سیاہی لگی اور معاملہ ختم ہوا مگر کتنے عظیم نقصان کے بعد یہ مرحلہ طے ہوا''۔

خلافت تحریک کا یہ باب ان لوگوں کے لیے خاص طور سے چشم کشا ہے جو اس تحریک کی ضرورت

اور افادیت ہی کے منکر ہیں، قاضی صاحب کا تو یقین تھا کہ ''خلافت گویا اسلام کی روح اور مذہب کی بنیاد ہے، خلافت کا قیام، بقا اور استحکام مسلمانوں کے لیے مذہبی فریضہ رہا، مولانا محمد علی جوہرا گر الغائے خلافت پر ماہی بے آب کی طرح تڑپے تو وجہ صاف تھی کہ یہ ایک اہم مذہبی معاملہ تھا اور اولیت کسی مسلمان کے لیے مذہبی فریضہ ہی کی ہے۔ قاضی صاحب نے لکھا کہ محمد علی کا وفد خلافت لے کر لندن پہنچنا یہ گویا ایک چیلنج تھا جو خلافت کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے بے سروسامان قوم کے جری لیڈر نے دنیا کی عظیم ترین قوت کے سربراہ کو دیا تھا، تحریک خلافت سے کیا ملا؟ یہ سوال مورخوں اور سیاسی نقادوں کے ذہنوں کی نقاب کشائی کرتا رہا ہے لیکن قاضی صاحب کا تجزیہ کچھ اور ہی ہے، ان کی نظر میں تحریک خلافت نے برطانیہ کی رعایا ہونے کی دھجیاں بکھیر دیں، ہندوستانی ہونے پر فخر سکھایا، ہندوستان کے تمام باشندوں کو پروانہ صفت، آتش فرنگ کا طواف کرنے کی جبلت سے آزاد کرکے اپنی فطرت کی تجلی گاہ میں آباد ہونا سکھایا....انفرادی قربانیوں اور آزادی کے لیے مرمٹنے کی آرزو سرے سے مفقود نہ تھی لیکن نغمۂ بیداری جمہور، تحریک خلافت ہی سے پیدا ہوا۔ قاضی صاحب کی تحریروں کے اس انتخاب میں تحریک آزادی سے متعلق زیادہ مواد نہیں ہے، روزنامہ زمیندار کے لیے مدیر کی حیثیت سے جو نمونہ درج کتاب ہے اس میں مولانا آزاد کا رنگ صاف ظاہر ہے۔ تحریک خلافت کے بعد مسلم پرسنل لا اور مسلم یونیورسٹی جیسے موضوعات پر قاضی صاحب کے افکار وخیالات، اندیشے اور تاثرات آج پہلے سے زیادہ معنویت کے حامل نظر آتے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے متعلق ان کا نظریہ بالکل واضح تھا کہ ''مسلم پرسنل لا کو اگر صاف صاف اسلامی عقائد واعمال کہا جائے تو بات زیادہ صاف ہوگی، ایک جگہ انہوں نے لکھا کہ'' دنیا کے ملکوں میں جس چیز کے اندر کوئی یکسانیت نہیں وہ وراثت کی جائداد کی تقسیم ہے.....اسلام کے قانون کی تفصیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے بہتر قانون وضع نہیں کیا جا سکتا، متوفی کی متروکہ جائداد کی ایسی تقسیم کہ ایک ہاتھ میں وہ جمع نہ ہو، مختلف ہاتھوں میں جائے اور حصہ رسیدی مطابق عقل ہو، اسلام کا درخشاں باب ہے''۔ مسلم پرسنل لا پر اپنوں اور غیروں دونوں کے اعتراضات کا جیسا جواب قاضی صاحب کی تحریروں میں ملتا ہے، واقعہ ہے کہ یہ انداز اوروں کو نہیں ملا، ایک جگہ کئی مسلم ناموں کا ذکر کرکے وہ لکھتے ہیں کہ ''مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بحث کو اس قطعی غلط اور بے بنیاد مفروضہ سے شروع کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا انگریز کا بنایا ہوا ہے یا عدالتوں کے بے لگام فیصلوں کا نتیجہ ہے....حقیقت یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے آج تک عدالتوں نے صرف قرآن و

سنت کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور اپنے کو قرآن و سنت کی تفسیر و تعیین کا نااہل سمجھ کر شیعہ اور سنی فرقوں کی کتابوں کو جو مستند قرار دی جا چکی ہیں، اپنا رہنما بنایا ہے۔

قاضی صاحب علی گڑھ میں ۱۹۲۴ میں داخل ہوئے، مسلم یونیورسٹی کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ وہ علوم حاضرہ کے ساتھ اسلامی تعلیم و تربیت کا مرکز بھی ہے اور اس سے یہ حیثیت جدا نہیں کی جا سکتی۔ علی گڑھ کی یاد ان کو آتی رہی، علامہ اقبال سہیل کے تعلق سے جونیر سینیر کا ایک واقعہ بڑے پُراثر انداز میں لکھا کہ ایک جونیر نے ان حضرات کا بل ادا کر دیا، سہیل صاحب پر کرب و اضطراب طاری ہوا اور ان کی زبان سے نکلا کہ ''علی گڑھ مر گیا''، علی گڑھ کی صالح روایات کے طویل قصوں میں وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ''یہ بات غلط فہمی کے طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ علی گڑھ نیشنلسٹ نہیں تھا''۔

قاضی صاحب کی کتاب زندگی میں یہ سارے عنوانات لاکھ جلی ہوں لیکن حق یہ ہے کہ ان کی اس کتاب کا سب سے درخشاں، سب سے نمایاں باب دینی تعلیمی تحریک ہے، آزادی وطن کے معاً بعد ابتدائی تعلیم کا نصاب، اکثریت کے مذہب و تہذیب کا اس طرح نمایندہ بنایا گیا کہ اسلامیہ اسکول کے ساتھ، ملک کی سب سے بڑی اقلیت کی نئی نسل، حکومتی نصاب کے ذریعہ اپنے مذہب و زبان و تہذیب سے بے گانہ ہو جائے، عجب نازک وقت تھا، ایسے میں قاضی صاحب نے حکومت کے نظام تعلیم سے براہ راست متصادم ہونے کی بجائے، پرائمری سطح پر ایک متوازی اسلامی تعلیم کی وہ تدبیر کی کہ بقول مولانا علی میاں اس سے زیادہ ٹھوس، مفید اور تعمیری تحریک ادھر ایک طویل عرصہ سے مسلمانان ہند کی تاریخ میں وجود میں نہیں آئی، کیا عجیب معاملہ ہے کہ علی گڑھ کے فارغ، وکیل اور کانگریسی ایم ایل اے نے دینی تعلیم کی وہ تڑپ پائی جس نے بقول مولانا علی میاں بیسیوں علماء و اہل دین کو تڑپایا اور ان کو ان کے گوشہ عزلت سے باہر آنے پر مجبور کیا، مولانا علی میاں نے خود کو ان ہی عزلت نشینوں میں شمار کرتے ہوئے لکھا کہ یہ قاضی صاحب کا وہ احسان ہے جس کو مدت العمر نہیں بھول سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی کے بعد ملک اور خصوصاً یوپی کی نئی مسلم نسل قاضی صاحب کے احسان کو کبھی بھول نہیں سکتی، آج مدارس و جامعات میں جو رونق ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس رونق میں خون جگر کس کا شامل ہے، اس کا جس نے تاریخ نویسی پر تاریخ سازی کو ترجیح دی، اس طرح کہ اہلِ نظر نے اعتراف اور اعلان کیا کہ قاضی صاحب کی دینی تعلیمی تحریک کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی مستقبل اور ایمان اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے ان کی آیندہ نسلوں کی وابستگی خطرہ میں آجائے گی۔

کتاب میں قدرتاً یہی باب نمایاں ہے، دینی تعلیمی کونسل کی گویا پوری تاریخ ہے، اسی ضمن میں آئینہ روز وشب کے عنوان سے قاضی صاحب کی ڈائری کے کچھ اقتباسات ہیں، خدا جانے یہ گوشہ، دل کو زیادہ کیوں بھایا؟ عوامی تحریروں کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن جہاں مخاطِب اور مخاطَب کی دوئی نہ ہو وہاں خلوتوں کی کیفیت کا عالم بھی دوسرا ہوتا ہے۔ ۱۳/ اگست ۱۹۶۱ ڈائری کے صفحہ پر ایک درد کس طرح پھیلتا ہے، لکھتے ہیں "اب دینی تعلیمی کونسل کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ......اور قوم! واہ کیا شان ہے قوم کی، بس باتیں تعریفیں، سبحان اللہ، ماشاءاللہ اور زر طلبی سخن دریں است، محنت سے جی چرانے والی اور دام ودرم کو عزیز رکھنے والی"۔ ایک اور دن اور وہی احساس اذیت "دینی تعلیمی کونسل جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے، دم توڑ رہی ہے نہ سرمایہ ہے نہ کارکنوں کو فکر..... چاروں طرف گہرا سناٹا ہے، قوم کا جوش سوڈا واٹر کا اُبال بن کر رہ گیا"۔ "میرا بار بار جی چاہتا ہے کہ دل کھول کر رولوں، وہ آنکھیں جن میں بھائی مرحوم کی موت پر کثرت سے آنسو نہ آئے، اشک بار ہیں.... بے دینی کی فضا جو چاروں طرف ہے، دل کہتا ہے کہ مصائب وآلام برداشت ہو جاتے ہیں لیکن یہ بدلتی ہوئی فضا، یہ قدیم تہذیب کا مدفون ہونا برداشت نہیں ہوتا"۔

باب التقریظ میں غالباً صرف تحسینی کلمات کی تکرار معیوب ہے لیکن نقد وانتقاد کے لیے کچھ تلاش کرنا بھی شاید عیب ہی شمار ہو، سولہ سو صفحات کی اس ضخامت وفخامت کو دیکھ کر خیال ہوا کہ ان ابواب کو اگر علاحدہ کتابی شکل میں شائع کیا جاتا تو مرتب اور قاری دونوں کے لیے راحت کا سامان ہوتا، مگر کتاب کے آخر میں عرض مرتب کے زرنگار یا شاید دل فگار قلم نے اس خیال کو یوں صاف کیا کہ "تاج محل کے حصے کر دیے جائیں، الگ الگ دیدار کی دعوت دی جائے، دیدار تو ہو جائے گا لیکن اس کو تاج محل کا دیکھنا نہیں کہہ سکتے، تاج محل کا حسن اس کی یکجائی میں ہے، ایک نظر میں پوری زیارت کا لطف ہی کچھ اور ہے۔

اردو کی تاریخی، ملی، مذہبی اور ادبی دنیا میں یہ کتاب یقیناً تاج محل ہے، دیکھتے وقت اس کی تشکیل وترتیب میں شامل اس خون جگر کو بھی دیکھنا چاہیے جو کسی بھی فن پارہ کی نمود کی ضمانت ہے اور جس کے بغیر سارے نقش ناتمام۔ قیمت بارہ سو روپے ہے، لکھنؤ اور بستی کے مکتبوں کے علاوہ دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، عارف آشیانہ چوک، لکھنؤ سے کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

ع۔ص

# وفیات

## علامہ سید سلیمان ندوی ؒ کی صاحبزادی شمیمہ عاصم کا انتقال
(۱۹۲۴-۲۰۱۸)

ڈاکٹر سید ارشد اسلم

علامہ سید سلیمان ندوی کی سب سے بڑی صاحبزادی محترمہ شمیمہ عاصم کا کراچی میں مورخہ ۱۲؍ اپریل کی صبح انتقال ہوگیا۔ شمیمہ مرحومہ انتہائی نیک سیرت، سادہ دل اور با اخلاق خاتون تھیں۔ انشاءاللہ مرحومہ کی ایک ایک نیکی دربارِ الٰہی میں سفارشی ہوگی اور رحمت و مغفرت کا تاج ان کے سر پر ہوگا۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑے بیٹے سید ابو سہیل تھے جو شبلی منزل، اعظم گڑھ میں اپریل ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے، بعد میں کراچی منتقل ہوگئے۔ وہاں وہ کسٹم آفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کے دو بیٹے سید ابو فضیل اور سید ابو طفیل اور تین لڑکیاں شائقہ، فائقہ اور سمیہ ہیں۔ سید ابو فضیل کنیڈا اور باقی تمام بچے کراچی میں مقیم ہیں۔ سید ابو سہیل کا انتقال ۱۵؍ دسمبر ۱۹۹۵ء میں کراچی میں ہوا۔ سید صاحب کے دوسرے بیٹے سید سلمان ندوی حفظہ اللہ ہیں جو ۶؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شبلی منزل، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ سید سلمان ندوی جنوبی افریقہ کی ڈربن یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبۂ مطالعۂ اسلامیات رہ چکے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد وہیں مقیم ہیں۔ کئی سال امریکا میں اور برطانیہ میں سینٹ کراس کالج اور آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ڈین فیکلٹی آف آرٹس، وائس چانسلر کے خصوصی صلاح کار اور سینٹ کے رکن بھی رہے ہیں۔ شمیمہ عاصم سید صاحب کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں، دوسری بیٹی شکیلہ (بیگم سید حسین صاحب: آئی اے ایس) ہیں جو حنا منزل، علی گڑھ میں بقید حیات ہیں۔ تیسری بیٹی شمیسہ (بیگم ڈاکٹر سید عطاء اللہ) ہیں جو کراچی میں مقیم ہیں اور اکثر اپنی بیٹی شاذیہ کے ہاں جو قطر میں رہتی ہیں، آیا کرتی ہیں۔ سید صاحب کی سب سے چھوٹی بیٹی ثوبیہ (بیگم سید محی الدین) ہیں، ان کا گھریلو نام تارا تھا، ان کا انتقال ۵؍ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو کراچی میں ہوا۔

---

پٹنہ، بہار۔

مرحومہ شمیمہ عاصم کی پیدائش ۲۴ر جنوری ۱۹۲۴ء کو دارالمصنّفین، شبلی منزل اعظم گڑھ میں ہوئی۔ وہیں ان کا بچپن گزرا۔ جب یہ چھوٹی تھیں تو سید صاحب انھیں اکثر اپنے ساتھ علمی وادبی مجلسوں میں بھی لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ سید صاحب ایک مجلس میں انھیں بھی اپنے ساتھ لے گئے جہاں گاندھی جی بھی موجود تھے۔ گاندھی جی نے شمیمہ عاصم کو ایک قیمتی ہار تحفہ میں دیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸-۹ سال رہی ہوگی۔ شمیمہ عاصم نے گاندھی جی سے یہ ہار لے کر کہا میں اتنا قیمتی ہار لے کر کیا کروں گی۔ میں اسے ہندوستان کے عوام کے نام کرتی ہوں اور یہ کہہ کر ہار گاندھی جی کو واپس کر دیا۔ گاندھی جی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے اسی مجلس میں کہا کہ میں اس لڑکی کے جذبے سے بہت متاثر ہوں۔ (۱)

مرحومہ شمیمہ کا نکاح ۱۹۴۱ء میں جناب سید ابو عاصم صاحب سے دیسنہ میں ہوا۔ سید ابو عاصم صاحب، سید صاحب کے چچازاد بھتیجے تھے۔ سید ابو عاصم ۱۹۱۷ء میں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ پھر ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی، بعد میں وہ کراچی منتقل ہو گئے اور کراچی میں گورنمنٹ کالج آف کامرس میں پروفیسر ہو گئے۔ کچھ دنوں سیاست میں بھی رہے۔ پھر مستقل طور پر وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا اور اخیر وقت تک اسی سے وابستہ رہے۔ ۱۱ر مئی ۱۹۹۹ء کو ان کا انتقال کراچی میں ہو گیا۔ وہ ماہر قانون ہونے کے علاوہ اچھے ادیب وانشا پرداز تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ پر ان کے کئی گراں قدر مقالے مختلف رسائل اور کتابوں میں موجود ہیں۔ سید صاحب کی وفیاتی تحریروں پر مشتمل کتاب ''یادرفتگاں'' جو پہلی بار ۱۹۵۵ء میں مکتبہ الشرق، کراچی سے شائع ہوئی تھی اس کا نہایت موثر ومفصل مقدمہ سید ابو عاصم کے قلم سے تھا۔

مرحومہ شمیمہ عاصم کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان کے ایک بیٹے ابو عامر کا انتقال کم سنی میں ۲۲ر جولائی بروز جمعہ ۱۹۵۴ء میں جناح اسپتال، کراچی میں ہوا۔ یہ واقعہ ان کے لیے بڑا ہی اندوہ ناک تھا چنانچہ اپنے شعری مجموعے ''بوئے گل'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ''میری زندگی کا پہلا اندوہ ناک حادثہ میرے والد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات تھی جو ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کو ہوئی اور ابھی اس غم سے سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ میرا ۶ سالہ بچہ سید ابو عامر جو ۱۲ر اپریل ۱۹۴۸ء کو دس بجے دن شیش محل، بھوپال میں پیدا ہوا تھا (جہاں والد صاحب علیہ الرحمہ ان دنوں قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور تھے)

---

(۱) یہ واقعہ شمیمہ عاصم کی چھوٹی بہن شمیسہ ہادی (پھوپھی زاد بہن) نے مجھے فون پر بتایا، جو ان دنوں قطر میں اپنی بیٹی شازیہ کے یہاں مقیم ہیں۔

اپنے نانا کی وفات کے چند مہینوں بعد ۲۲/ جولائی بروز جمعہ ۱۹۵۴ء، ۶ بجے شام جناح اسپتال میں آکسیجن کے ساتھ حیات وموت سے کشمکش کرتا ہوا ہم سب کو تڑپتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے جدا ہو کر مالک حقیقی سے جا ملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس جانکاہ حادثہ نے دلی ترجمانی کے اظہار کے لیے پہلی بار قلم پکڑنے کا حوصلہ دیا اور دل کی بے قراری الفاظ میں ڈھل گئی''۔ (شعری مجموعہ بوئے گل، ص ۴۲)

یہ پُر درد نظم ''غم زدہ ماں کے جذبات'' کے نام سے ہے۔ باقی دو بیٹے اور دو بیٹیاں بقید حیات ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی ''شمونہ'' کراچی میں ہیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسری بیٹی ''سیما'' ہیں جو ریاض میں رہتی ہیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑے سید ابو عادل ہیں جو میرین انجینئر ہیں وہ چھ مہینہ کراچی اور چھ مہینہ لاگوس نائجیریا میں رہتے ہیں۔ چھوٹے بیٹے سید ابو عاشر کراچی میں ہیں، ان کا اپنا I.T کا بزنس ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین کی توجہ اور اس کی اہمیت ظاہر ہے اولادِ صالح میں والدین کا عکس بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ شمیمہ عاصم نے جب ہوش سنبھالا تو انہیں دارالمصنّفین اعظم گڑھ جیسے علم وفضل کے گہوارہ کا علمی وادبی ماحول ملا اور سید صاحب جیسی شخصیت کی رہنمائی کی نعمت بھی میسر ہوئی۔ انہوں نے وہاں اپنا پورا بچپن اہل علم بزرگوں کے ساتھ گذارا۔ ماحول نے ان کے اندر بھی لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ رفتہ رفتہ اس ذوق وشوق نے پختگی اختیار کر لی اور حوادث زمانہ نے بھی دلی جذبات کو قلم کے ذریعہ کاغذ پر منتقل کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ان کے مضامین وافسانے اس زمانے میں ''تہذیب نسواں'' اور ''عصمت'' جیسے رسالوں میں شائع ہوئے۔ تقسیم ملک ہندو پاک کے مختلف رسالوں میں اب تک ان کی سینکڑوں نظمیں، غزلیں، حمد نعت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں۔ یہاں ان کی صرف ایک نظم کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ جو انہوں نے ''جرائن ندی'' پر لکھی ہے۔ اس ندی کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ یہ صوبہ بہار کے دیسنہ گاؤں سے ہو کر گذرتی ہے کبھی یہ ندی اس گاؤں کے لیے ''شہر پناہ'' کا درجہ رکھتی تھی۔ یعنی دیسنہ بستی جہاں پر ختم ہوتی تھی وہیں سے یہ طول طویل ندی لہراتی ہوئی گذرتی تھی۔ ندی کے پار مسلمانوں اور ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جہاں آنا جانا آسان نہیں تھا۔ یا تو خود تیر کر آئیں جائیں یا پھر کشتی پر، کشتی بھی ہر وقت موجود نہیں رہتی تھی۔ بلکہ اس کا خاص طور پر اہتمام کرنا پڑتا تھا جو ہر وقت ممکن نہیں تھا۔ ہاں گرمیوں میں جب اس کا پانی کم ہو جاتا تھا تو لوگ گزر کر آتے جاتے تھے۔ ندی کے کنارے ریت کا بڑا وسیع میدان تھا جہاں شام کے وقت بستی والے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں جمع ہو جاتے اور اپنی اپنی دلچسپی کے لحاظ سے اس کو کسی خوبصورت سمندری ساحل کے پرلطف ماحول میں بدل دیتے۔ اس زمانے میں دیسنہ

میں ایک بہت بڑی لائبریری بھی تھی جسے دیکھنے کے لیے ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیتیں تشریف لاتی تھیں۔ جیسے بابو راجندر پرشاد، آچاریہ کرپلانی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر سید محمود صاحب، بدری ناتھ ورما، حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مہاتما گاندھی وغیرہ، وہ سب اس ندی کا دیدار ضرور کرتے۔ اس طرح اس ندی سے دیسنہ والوں کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں لیکن جنگ آزادی کے ہنگاموں سے یہ گاؤں بھی محفوظ نہیں رہ سکا چناں چہ اس سے متاثر ہو کر مرحومہ شمیمہ عاصم نے یہ پر درد نظم لکھی:

"جرائن ندی"

اے جرائن ! اے جرائن جادۂ مہر و وفا
ہائے وہ تیری رفاقت! وہ زمانہ کیا ہوا
محفلیں جمتی تھیں ندی پر ہمیشہ شام کو
لوگ آکر دیکھتے تھے یہ تماشا شام کو
اک طرف علمی مباحث تھے جوان و پیر میں
اور کچھ مصروف رہتے کشتی و شمشیر میں
نوجوان دیسنہ کی وہ کبڈی یاد ہے
یاد ہے مجھ کو وطن کی اپنی ندی یاد ہے
قہقہے بچوں کے اتنا شور اتنا الا ماں
چشم گردوں دیکھ کر حسرت سے تھی ماتم کناں
کیا خبر تھی آگ اک ایسی یہاں لگ جائے گی
روشنی کتنے چراغوں کی یہاں بجھ جائے گی
جنگ آزادی کا وہ خونی زمانہ یاد ہے
بے کفن لاشوں پہ آنسو کا بہانا یاد ہے
سرخ ہے ندی کا پانی خونِ مظلومین سے
تیرتے آتے تھے لاشے ننھے معصومین کے
اے جرائن تو تو ہے خونِ شہیدوں کی گواہ
روزِ محشر بھی وہاں رہنا شہیدوں کی گواہ

# ادبیات

## نشید کعبہ

جناب محمد طارق غازی

اللہ کا گھر ہر مسجد ہے اور ان میں کامل کعبہ ہے
پوچھو تو صنم بھی بول اٹھیں توحید کی منزل کعبہ ہے

تکوین کے دفتر کا حاصل چھ دن☆ کی کرشمہ کاری تھی
اس دور فکاں میں القصہ تقدیر کا حاصل کعبہ ہے

گلزار و چمن، جیہون و جمن، سب کوہ و دمن، سب سرو سمن
یہ دنیا محفلِ رونق ہے، اور رونقِ محفل کعبہ ہے

یہ کاہکشاں، یہ کون و مکاں، اک ہستی مثال ماہ رخاں
اس عالم ہست کے مرکز میں مرے دل کے مماثل کعبہ ہے

امت کی محبت کا محور، امت مرکوز مدینہ پر
بے مثل ہے شہر نبیؐ، گویا اس میں ہر اک دل کعبہ ہے

ہم کو ہے رہ و منزل کی خبر، بس قافلہ بننا باقی ہے
ہے اپنی حدی فرمان نبیؐ اور اپنا محمل کعبہ ہے

جب لوگ ہواؤں کے رخ پر چل کر فرقوں میں بٹتے ہیں
اس دم انکار کے طوفاں میں ایمان کا ساحل کعبہ ہے

انساں نے بنائے لاکھ خدا، پھر جھوٹ کو سچ کا نام دیا
باطل کو نگوں سر حق نے کیا، اس حق کا حاصل کعبہ ہے

سب ہیکل و معبد نذر بتاں، بے نام و نشاں، بس وہم و گماں
تصدیق یقیں، وحدت کا علم ان سب کے مقابل کعبہ ہے

---

## نالۂ فراق

### (استاذ محترم حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی رحلت پر)

جناب وارث ریاضی*

الفراق اے ملتِ بیضا کے فرزندِ جلیل
عالمِ دیں، رہبر قومِ و وطن، مردِ نبیل

پیکرِ رشد و ہدیٰ، اے داعیِ دینِ نبیؐ
آبرو ملت کی تیرے دیدۂ پُرنم سے تھی

اس جہانِ علم و فن میں بجھ گئے لاکھوں دیے
تیری رحلت بھی خسارہ ہے زمانے کے لیے

اے کہ تو تھا عصرِ حاضر کا خطیبِ باکمال
حضرتِ طیبؒ کے فکر و فن کی اک زندہ مثال

---

ٹورانٹو۔کینیڈا۔

---

☆ سورہ الاعراف ۷: ۵۴ ۔بے شک آپ کا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا۔

* کاشانۂ ادب سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن بہار ۸۴۵۴۵۳۔ (Mob: 08228902548)

اے ولی اللہؒ کے فکر و عمل کے ترجماں / اے امام علم و دانش ، نازشِ ہندوستاں
قاسمؒ علم نبوت کے چمن سے فیض یاب / اے کہ تجھ سے تھی جہانِ آگہی کی آب و تاب
گلستانِ قاسمی کے ہاتھ سے جانے کے بعد / اک نیا گلشن سجایا ہوش میں آنے کے بعد
مرجعِ اہلِ نظر بنتا گیا تیرا چمن / رشکِ شیرازِ کہن ہے آج تیری انجمن
ہاں ، مگر تو مادر علمی کا غم کھایا کیا / ضبطِ غم سے عفو کی حکمت کو سمجھایا کیا
سازِ دل پر نغمۂ صبر و رضا گاتا رہا / آیتِ لا تقنطوا سے دل کو بہلاتا رہا
اے کہ خوے بوذریؓ ہر دم رہی تیرا شعار / حلمِ عثمانِ غنیؓ تھا ہر ادا سے آشکار
ظلم کیا شے ہے؟ ذرا مل کر کسی ظالم سے پوچھ / درگزر کی بات لیکن ہم نوا ! سالم سے پوچھ
چودہ انتالیس میں اے وارثِ نوحہ کناں / سالمِ شیریں بیاں بھی جا چکے سوے جناں
۱۴۳۹ھ

---

# قطعۂ تاریخ وفات

## (مولانا محمد سالم قاسمیؒ)

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شیخ کبیر محمد سالم / صاحبِ علم و فکر و حکمت
مؤمنِ کامل ، مسلمِ عاقل / آئنہ دارِ دین و شریعت
پختہ مذہب ، شستہ مشرب / حامیِ سنت ، ماحیِ بدعت
پاک شمائل ، دشمنِ باطل / راہنمای راہِ حقیقت
ماہر فقہ و حدیث و قرآن / راہیِ جادہ ، سنت و سیرت
پیروِ اسوۂ سرورِ عالمؐ / نورِ چراغِ دیدۂ امت
درس دہِ احادیثِ نبوی / شارحِ تعلیماتِ رسالت
دوش بہ امرِ خالقِ اکبر / کرد بہ سوی جنت رحلت
بہرِ نمودِ سالِ وفاتش / کرد رئیسِ زار چو دقت
باسر و پای ”شاد“ بر آمد / حاصلِ فکرش ”رفت بہ جنت“

۴+۳۰۰=۳۰۴

۱۱۳۵
۳۰۴
۱۴۳۹ھ
(۲۰۱۸ء)

گوشۂ مطالعات فارسی، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱۔

# مطبوعات جدیدہ

## منهج العلامتين شبلي النعماني و سليمان الندوي في كتابهما سيرة النبي و تفنيدهما دعاوي المستشرقين

از مولانا فریدالدین ندوی، متوسط سے قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۳۰۶، قیمت درج نہیں، پتہ: اروقہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۹۱۶۳، عمان ۱۱۱۹۶، اردن۔

علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبیؐ اور اس کے امتیازات وخصائص پر اردو میں کتابوں، مقالات ومضامین کا ذخیرہ اب بجائے خود محققین کے لیے الگ موضوع ہے، قریب ہر بڑی علمی زبان میں سیرت النبیؐ کا چرچا ہوا، عربی زبان میں کچھ ترجمے بھی ہوئے گو وہ نامکمل رہے، لیکن اس عظیم الشان کتاب کے تعلق سے اس کے مطالعہ اور روایتوں کے اخذ وقبول اور عصری تقاضوں کا لحاظ اور سیرتی مآخذ پر اعتراضات اور ان کے پردے میں صاحب سیرت سے کدوعناد کی پردہ دری کا جائزہ غیر اردو زبانوں میں کم نظر آتا ہے۔ اس کتاب کے نوجوان مولف نے اپنے جدامجد ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی کے ایما پر، ایم اے کے مقالہ کے لیے سیرۃ النبیؐ کے منہج تالیف اور مستشرقین کے الزامات کی تردید میں مولفین سیرت النبیؐ کی کاوشوں کو موضوع بنایا، لائق مولف کو خود بھی یہ احساس تھا کہ سیرۃ النبیؐ محض ایک سیرت نہیں، ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی ہر خوبی کو اردو کی طرح دوسری زبانوں خصوصاً عالم عربی میں روشناس کرایا جائے، اور یہ بھی کہ علامہ شبلی نے سیرت کے مطالعہ کے لیے جو جدید انداز نظر اپنایا اس کو بھی عام کیا جائے۔ کوئی شک نہیں کہ لائق مولف نے چھوٹی سی عمر میں ایسے بڑے کام کو بحسن وخوبی انجام دیا، سلیقۂ تالیف کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے علامہ شبلی وسید صاحب کے حالات، ان کے عہد کے علمائے حدیث وسیرت اور سیرۃ النبیؐ کے تراجم کا جامعیت سے احاطہ کیا، سیرۃ النبیؐ کے مصادر اور پھر روایات کے اخذ ورد کے اس طریق کا جائزہ لیا جو سیرۃ النبیؐ کا طرۂ امتیاز ہے اور پھر استشراقی بیانات اور سیرۃ النبیؐ میں ان کے جوابات کو بڑی جامعیت سے پیش کردیا، نوعمر مولف کی محنت کی داد اور دعا رابطہ عالم اسلامی کے امین عام اور فاضل جلیل ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی نے ایک مبسوط تقریظ کے ذریعہ دی کہ ''اللہ تعالیٰ استاذ فریدالدین ندوی کو سنت وعلم کی خدمت میں اسی راہ پر گامزن ہونے کی توفیق دے جس راہ پر ان کے جدامجد کے نقوش روشن ہیں''۔ یقیناً اس کتاب سے سیرۃ النبیؐ اور اس کے طفیل میں دارالمصنفین کے نام اور کام کے اعتراف واعزاز میں اضافہ ہوگا۔

ع۔ص

# رسید کتب موصولہ

**اردو تنقید (مقصود و منہاج)**: پروفیسر صاحب علی، شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، کالینا سانتا کروز (ایسٹ) ممبئی۔ قیمت=/۳۰۰روپے

**اکابرین وقائدین ملت کی حیات وخدمات**: محمد شمیم اختر جاوید، حاجی محمد ہمایوں ۱/ تانتی بگان لین، کلکتہ۔ قیمت: ہدیہ

**روبرو (انٹرویوز کا مجموعہ)**: امین الدین شجاع الدین، مرتب منور سلطان ندوی، الفرقان بک ڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ۔ قیمت=/۳۵۰روپے

**سوانح حضرت امیر شریعتؒ (مولانا منت اللہ رحمانی) حیات وخدمات**: ڈاکٹر محمد وقار الدین لطیفی ندوی، مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت=/۳۰۰روپے

**شعب ابی طالب (آفتاب رسالت ﷺ حصار جبر میں)**: ڈاکٹر شاہد بدر فلاحی، شعور حق، نزد خلیل اللہ مسجد، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی۔ قیمت=/۱۲۵روپے

**فن تدریس اصول وآداب**: مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن ندوی، ترجمہ عبدالرحمٰن ملی ندوی، ندوہ کمپیوٹر سنٹر، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت=/۱۰۰روپے

**کودرا**: راشد شاز، ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ قیمت=/۳۰۰روپے

**متاع قلم**: ڈاکٹر رضیہ حامد، کنارہ اپارٹمنٹ وی۔آئی پی لیک ویو روڈ، احمد آباد، بھوپال۔ قیمت=/۹۰روپے

**میرے مربی میرے محسن**: سراج الدین ندوی، الہدیٰ پبلی کیشنز، حیدرآباد۔ قیمت=/۲۰۰روپے

**نواب شاہ جہاں بیگم**: ڈاکٹر رضیہ حامد، کنارہ اپارٹمنٹ وی۔آئی پی لیک ویو روڈ، احمد آباد، بھوپال۔ قیمت=/۲۵۰روپے

# تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن) | 2000/- |
| سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی | 2200/- |
| مقدمہ سیرۃ النبیؐ | 30/- |
| الفاروق | 300/- |
| الغزالی | 200/- |
| المامون | 175/- |
| سیرۃ النعمان | 300/- |
| سوانح مولانا روم | 220/- |
| شعر العجم اول | 300/- |
| شعر العجم دوم | 150/- |
| شعر العجم سوم | 125/- |
| شعر العجم چہارم | 200/- |
| شعر العجم پنجم | 150/- |
| الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی | 350/- |
| الکلام | 250/- |
| علم الکلام | 200/- |

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| موازنہ انیس و دبیر | 250/- |
| اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر | 100/- |
| سفر نامہ روم و مصر و شام | 200/- |
| کلیات شبلی (اردو) | 220/- |
| کلیات شبلی (فارسی) | 45/- |
| مقالات شبلی اول (مذہبی) مرتبہ: سید سلیمان ندوی | 170/- |
| مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃 | 70/- |
| مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃 | 80/- |
| مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃 | 200/- |
| مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃 | 150/- |
| مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃 | 90/- |
| مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃 | 100/- |
| مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃 | 110/- |
| خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی | 80/- |
| انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی | 45/- |
| مکاتیب شبلی اول 〃 | 150/- |
| مکاتیب شبلی دوم 〃 | 190/- |
| اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات) | 150/- |

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
May 2018 Vol - 201 (5)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

## شبلی صدی مطبوعات

| نمبر | کتاب | مصنف | قیمت |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن) | علامہ شبلی نعمانی | 2000/- |
| ۲۔ | شبلی کی آپ بیتی | ڈاکٹر خالد ندیم | 325/- |
| ۳۔ | دارالمصنّفین کے سو سال | کلیم صفات اصلاحی | 350/- |
| ۴۔ | شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات) | مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 220/- |
| ۵۔ | شذرات سرسید | پروفیسر اصغر عباس | 500/- |
| ۶۔ | محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس | ڈاکٹر جاوید علی خاں | 230/- |
| ۷۔ | حیات شبلی | علامہ سید سلیمان ندوی | 650/- |
| ۸۔ | مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں | اشتیاق احمد ظلی | 250/- |
| ۹۔ | حیات سعدی | تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی | 400/- |
| ۱۰۔ | شبلی شناسی کے اولین نقوش | مرتبہ: ظفر احمد صدیقی | 600/- |
| ۱۱۔ | شبلی ایک دبستان | آفتاب احمد صدیقی | 250/- |
| ۱۲۔ | متاع رفتگاں | شاہ معین الدین احمد ندوی | 200/- |
| ۱۳۔ | یہود اور قرآن مجید | مولانا ضیاء الدین اصلاحی | 150/- |
| ۱۴۔ | رسائل شبلی | علامہ شبلی نعمانی | 300/- |
| ۱۵۔ | اردو ترجمہ مکاتیب شبلی | ڈاکٹر خالد ندیم | 110/- |
| ۱۶۔ | تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی) | مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی | 300/- |
| ۱۷۔ | مراسلات شبلی | ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 150/- |
| ۱۸۔ | مطالعات شبلی | مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی | 550/- |
| ۱۹۔ | الفاروق (ہندی) | علامہ شبلی نعمانی | 450/- |
| ۲۰۔ | الندوہ (جلد ۱۔۶) | | 3335/- |
| ۲۱۔ | الندوہ (جلد ۷۔۹) | | زیر طبع |